    











مکمل ومدلل

مسائلِ شرک وبدعت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرات مفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند کی تصدیق کے ساتھ

مؤلف

مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ

لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۞۴۸

جس کے چاہے، اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

خلاصۂ تفسیر: بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو (سزا دے کر بھی) نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے (بلکہ ہمیشہ دائمی سزا میں مبتلا رکھیں گے) اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں (خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ) جس کے لیے منظور ہوگا (بلاسزا) وہ گناہ بخش دیں گے، (البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے تو پھر مشرک ہی نہ رہا، اب وہ سزا دائمی بھی نہ رہے گی) اور (وجہ اس شرک کے نہ بخشنے کی یہ ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا (جو اپنے عظیم ہونے کی وجہ سے قابل مغفرت نہیں)

معارف و مسائل

شرک کی تعریف اور اس کی چند صورتیں

قولہ تعالیٰ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ'' اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد ہیں، اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کے لیے رکھنا یہ شرک ہے، اس کی کچھ تفصیلات یہ ہیں:

علم میں شریک ٹھہرانا

یعنی کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت

خبر ہے، نجومی، پنڈت سے غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دُور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی، یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

اشراک فی التصرف

یعنی کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اور اولاد مانگنا۔

عبادت میں شریک ٹھہرانا

کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو رُکوع کی طرح جھکنا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔

(معارف القرآن: جلد دوم، ص ۴۳۰)

توحید کے معنی و تعریف

مسئلہ توحید کے معنی ہیں خدا کو ذات و صفات میں واحد، کامل و یکتا اور بے نظیر سمجھنا، شریعت میں توحید سے محض وحدت عددیہ عرفِ اہل حساب مراد نہیں؛ بلکہ وحدتِ عرفیہ مراد ہے، اور عرف میں وحدت کا مفہوم یہی ہے کہ کوئی ذات و صفات میں کامل و یکتا اور بے نظیر ہو، اور جو شخص قرآن کریم کو کلام الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ نہیں سمجھتا، وہ نعوذ باللہ خدا کو کاذب سمجھتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اپنا کلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء، جن کا ذکر قرآن (وحدیث) میں آیا ہے، ان کو اپنا نبی اور رسول فرمایا ہے، اور جو شخص اس کا انکار کر کے خدا کی تکذیب کرتا ہے، اور جو شخص خدا کو ایک مانے مگر اس کے ساتھ اس کو کاذب (جھوٹا) بھی کہے وہ ہرگز موحد نہیں ہوسکتا۔ (یعنی وہ کافر ہی ہے) (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۳۵)

کفر کیا ہے؟

مسئلہ جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک بات کو بھی نہ ماننا کفر ہے، مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نہ مانے، یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرے، یا دو تین خدا مانے، یا فرشتوں کا انکار کرے، یا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا انکار کرے، یا کسی پیغمبر کو نہ مانے، یا تقدیر سے منکر ہو، یا قیامت کے دن کو نہ مانے، یا اللہ تعالیٰ کے قطعی احکام میں سے کسی حکم کا انکار کرے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی کسی خبر کو جھوٹا سمجھے، تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔ (تعلیم الاسلام: ج ۴، ص ۱۸)

شرک کیا ہے؟

مسئلہ: شرک کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، ذات میں شرک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دو یا تین خدا ماننے لگے جیسے عیسائی کہ تین خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہیں، اور جیسے آتش پرست کہ دو خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہوئے اور جیسے بت پرست کہ بہت سے خدا مان کر مشرک ہو گئے ہیں۔

مسئلہ صفات میں شرک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی صفات کی طرح کسی دوسرے کے لیے کوئی صفت ثابت کرے، یہ شرک ہے کیونکہ کسی مخلوق میں خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی، ولی ہو یا شہید، پیر ہو یا امام، اللہ تعالیٰ کی صفتوں کی طرح کوئی صفت نہیں ہو سکتی ہے۔

مسئلہ شرک کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ شرک فی القدرت، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح صفت قدرت کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا، مثلاً یہ سمجھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی یا شہید وغیرہ پانی برسا سکتے ہیں یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں، یا مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، یا وہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں، یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

۲۔ شرک فی العلم: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے لیے صفت علم ثابت کرنا، مثلاً یوں سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح فلاں پیغمبر یا ولی وغیرہ غیب کا علم رکھتے تھے یا خدا کی

طرح ذرہ ذرہ کا انہیں علم ہے یا وہ ہمارے تمام حالات سے واقف ہیں یا دور ونزدیک کی چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ سب شرک فی العلم ہے۔

۳۔ شرک فی السمع والبصر: یعنی خدا تعالیٰ کی صفت سمع یا بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا پیر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور ونزدیک سے سن لیتے ہیں یا ہمیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں، یہ سب شرک ہے۔

۴۔ شرک فی الحکم: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور کو حاکم سمجھنا اور اس کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح ماننا، مثلاً پیر صاحب نے حکم دیا کہ یہ وظیفہ نمازِ عصر سے پہلے پڑھا کرو تو اس حکم کی تعمیل کو اس طرح ضروری سمجھے کہ وظیفہ پورا کرنے کی وجہ سے عصر کا وقت مکروہ ہو جائے یا نماز قضا ہو جانے کی پرواہ نہ کرے، یہ بھی شرک ہے۔

۵۔ شرک فی العبادت: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کو عبادت کا مستحق سمجھنا، مثلاً کسی قبر یا پیر کو سجدہ کرنا یا کسی کے لیے رکوع کرنا، یا کسی پیر، پیغمبر، ولی، اور امام کے نام کا روزہ رکھنا یا کسی کی نذر اور منت ماننی یا کسی قبر یا مرشد کے گھر کا خانہ کعبہ کی طرح طواف کرنا، یہ سب شرک فی العبادت ہیں۔ (تعلیم الاسلام: ج۴، ۲ر آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۱)

تفصیل کے لیے دیکھئے قرآنِ کریم پارہ پانچ سورۂ نساء، و بخاری شریف ج ۲، ص ۳۳۶۔ کتاب الرقاق، مشکوٰۃ شریف: ج ۲، ص ۸۲۷ و مظاہر حق: ج ۴، ص ۳۳۴، مسلم شریف: ج ۱، ص ۱۶، کتاب الایمان و ترمذی شریف ج ۲، ص ۱۰۳۔

مسئلہ شرک کے معنی ہیں حق تعالیٰ کے الوہیت میں یا اس کی صفاتِ خاصہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اور یہ جرم بغیر توبہ کے نا قابل معافی ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۳)

مسئلہ شرک کی باتوں کے قریب مت جاؤ، اولاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے لیے ٹونے ٹوٹکے مت کرو، فال مت کھلواؤ، فاتحہ و نیاز ولیوں کی مت کرو، بزرگوں کی منت مت مانو، شب برأت، محرم، عرفہ تبارک کی روٹی، تیرہ تیزی کی گھونگیاں کچھ مت کرو، اور جہاں رسومات وغیرہ ہوتی ہوں وہاں پر مت جاؤ۔ (بہشتی زیور: ج ۷، ص ۶۲)

شرک کی قسمیں

سوال وہ شرک جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں (اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ) اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور آیا اس شرک کا کوئی مرتبہ ایسا بھی ہے کہ بعض غیر اللہ کو اس درجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا منافی نجات نہ ہو؟ اور بعض کو شریک کرنا منافی نجات ہو؟ مثلاً ایک تو بزرگوں کی قبروں یا تعزیہ وغیرہ کو خاص نیت و اعتقاد کے ساتھ سجدہ کرنا ہے، حاجت مانگنا ہے، یا اُن پر حلوہ، مالیدہ، شیرینی وغیرہ چڑھانا ہے، دوسرے بتوں یا پیپل کے درخت کو اسی نیت و اعتقاد کے ساتھ سجدہ کرنا، حاجت مانگنا یا اُن پر حلوا وغیرہ چڑھانا ہے، تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ان بزرگوں کی مقبولیت عنداللہ ہونے کی وجہ سے سجدہ وغیرہ کرنا منافی نجات نہ ہو اور بتوں اور پیپل کے ساتھ وہی برتاؤ منافی نجات ہو؟

اور اگر یہ نہیں ہوسکتا بلکہ شرک کا ہر درجہ اور ہر مرتبہ منافی نجات ہے، تو کیا وجہ ہے کہ بزرگوں کی قبروں یا تعزیہ وغیرہ کو سجدہ کرنے اور ان سے مرادیں مانگنے، حلوہ، مالیدہ چڑھانے کو شرک منافی نجات نہ کہا جائے، اور پیپل کے درخت، بتوں وغیرہ کے ساتھ وہی برتاؤ، شرک منافی نجات سمجھا جائے؟ حالانکہ مشرکین مکہ بھی بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ماتحت بلکہ وسیلۂ قرب الی اللہ سمجھتے تھے، چنانچہ ارشاد ہے **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفٰی** اور جس طرح تعزیوں کی نسبت حضرات شہداءِ کربلا کی طرف کی جاتی ہے، ایسے ہی بتوں کو بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، چنانچہ کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نامزد تھا، اور کوئی حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ، پس شرک کی حقیقت کیا ہے؟ جو اوّل میں پائی جاتی ہے اور دوسرے میں نہیں؟

جواب وہ شرک جس پر عدم نجات وخلودِ نار مرتب ہے، اس کی تعریف یہ ہے، جو حاشیہ خیالی میں شرح مقاصد سے نقل کی گئی ہے **ان الکافر ان اظھر الایمان فھو المنافق و ان طرأ کفرہ بعد الایمان فھو المرتد و ان قال بالشریک فی الالوھیۃ فھو المشرک.** (ص۱۲۴)

پس اب سمجھنا چاہئے کہ مشرکین عرب جو اصنام کی عبادت کرتے تھے اور قبر پرست

مسلمان جو قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرتے ہیں دونوں میں فرق ہے، مشرکین عرب ان کو شریک فی الالوہیۃ کرتے تھے اور زبان سے بھی ان کو شریک خدائی کہتے تھے، دَلّ علیہ قولہ تعالیٰ: وَ جَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ وَ ھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا و قال تعالیٰ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَ قَالَ تعالیٰ وَ یَجْعَلُوْنَ لَہٗ اَنْدَادًا ط وَّ غَیْرَ ذٰلِکَ مِنَ الْاٰیَاتِ اور گو وہ لوگ اس میں تاویلیں کرتے تھے مگر اسی کے ساتھ کلمۂ توحید سے متوحش بھی ہوتے تھے، اور کہتے تھے لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تملکہ و ما ملک اور قبر پرست یا تعزیہ پرست ایسے نہیں ہیں نہ وہ کلمۂ توحید کے منکر ہیں نہ اس سے متوحش ہیں؛ بلکہ بلا استثناء خدا تعالیٰ کو معبود واحد کہتے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، اور ہنود اپنے دیوتاؤں کو شریکِ الوہیت مانتے ہیں اور کلمۂ توحید سے منکر و متوحش ہیں جیسا کہ مشرکین عرب کی حالت اوپر معلوم ہوئی ہے، پس دونوں میں فرق یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں کا شرک عملی ہے جب تک کہ وہ اپنے کو مسلم و موحد کہتے رہیں اور ہنود کا شرک اعتقادی و عملی دونوں سے مرکب ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سجدہ غیر اللہ کو کرنا مطلقاً شرک نہیں بلکہ بعض صورتوں میں امارت شرک ہے، باقی حقیقتِ شرک وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی،

ای القول بالشریک فی الالوھیۃ قلبًا و لسانا، قل فی شرح العقائد و لا نزاع فی ان من المعاصی ما جعلہ الشارع امارۃ للتکذیب و علم کونہ کذٰلک بالادلۃ الشرکیۃ کسجود الصنم و القاء المصحف فی القاذورات و التلفظ بالفاظ الکفر. (ص۱۴۸)

باقی قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرنا یہ علامت تکذیبِ شرع نہیں؛ کیونکہ کفار میں اُن کی عبادت رائج نہیں، ہاں جس چیز کی عبادت کفار میں رائج ہے، اس کو سجدہ کرنا قضاءً حکم کفر کو مستلزم ہوگا (کما صرّح بہ فی حاشیۃ شرح العقائد، ص مذکور) اور دیانۃً اگر تصدیق و ایمان قلبی میں خلل نہ ہوا تو عند اللہ مؤمن ہوگا، علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب ''صراط مستقیم'' (ص ۱۵۰ سے ۱۶۵ تک) ملاحظہ ہو، علامہ نے اس میں تعظیم قبور اور سجدۂ قبور کے متعلق سخت تہدیدی کلام فرمایا ہے؛ مگر ان لوگوں کو کافر و مشرک نہیں کہا جو اس میں مبتلا ہیں، ہاں مشابہ مشرکین ضرور کہا، نیز حدیث میں ہے لعن اللہ اقواما اتخذوا قبور

انبیاء ھم مساجد، اللّٰھم لا تجعل قبری و ثنا یعبد الخ مگر اس سے فقہاء نے سجدۂ قبر کی حرمت ہی مستنبط کی ہے، کسی نے ساجد قبر کو محض سجدہ کی وجہ سے کافر نہیں کہا، **اللّٰھم الّا ان یقربانہ علی طریق العبادۃ و ان صاحب القبر معبود ای شریک فی الالوھیۃ فافھم واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

ان عبارات کا مقتضا یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں میں جو لوگ اہل قبور یا تعزیہ کی نسبت تاثیر غیبی کے معتقد ہیں، وہ مشرک ہیں اور جو محض ظاہری تعظیم کے طور پر ان کو سجدہ وغیرہ کرتے ہیں اور ان کی تاثیر کے معتقد نہیں وہ شرک عملی کی وجہ سے فاسق ہیں کافر نہیں، اور حضرت شیخؒ نے اعتقاد تاثیر و عدم اعتقاد تاثیر کے معیار کا یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کی مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے عطا فرمادی ہے کہ اس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع یا ضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں، گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرتِ حق ہی غالب ہے، جیسے سلاطین اپنے نائبین حکام کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتے ہیں کہ ان کا اجراء اس وقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا، گو روکنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا، سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے، (اور مشرکین عرب کا اپنے آلہۂ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا) اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں؛ مگر بعض مخلوق کو قرب و قبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ یہ اپنے متوسلین کے لیے سفارش کرتے ہیں پھر اس سفارش کے بعد بھی ان کو نفع و ضرر کا اختیار نہیں دیا جاتا؛ بلکہ حق تعالٰی ہی نفع و ضرر پہنچاتے ہیں؛ لیکن اس سفارش کے قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اس سفارش کی تحصیل کے لیے اس کے ساتھ بلاواسطہ یا بالواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں، یہ عقیدۂ اعتقاد تاثیر نہیں ہے؛ لیکن بلا دلیل شرعی بلکہ خلاف دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعتقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیتِ عملیہ ہے، اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اس کو مشرک کہہ دیا جاتا ہے **قال الشیخ اشرف علی ھذا ما سنح لی و اللّٰہ اعلم، و من ھٰھنا لم یکفر مشائخنا و اکابرنا عابدی القبور والساجدین لھا و امثالھم لحملھم حالتھم علی الصورۃ الثانیۃ دُون الاولٰی و قرینتہ دعوٰی ھٰؤلاء الاسلام والتوحید والتبرّی من الشرک**

بخلاف مشرکی العرب و الھند فانھم یتوحشون من التوحید و من نفی القدرة المستقلة عن الھتھم و قالوا اجعل الألھة الھًا وّاحدًا، واللّٰہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ج۱،ص۱۱۸ تا ص۱۲۳)

امورِ غیر عادیہ اور شرک؟

سوال کیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کو اختیارات اور قدرتیں بخشی ہیں؟ جیسے کہ انبیاء نے مردوں کو زندہ کیا اور فرشتے ہوائیں چلاتے ہیں، کوئی پانی وغیرہ برساتے ہیں؛ مگر توحید کی کتاب میں ہے کہ بھلائی برائی، نفع ونقصان کا اختیار اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں، خواہ نبی ہو یا ولی، اللہ کے سوا کسی اور میں نفع نقصان کی قدرت ماننا شرک ہے؟

جواب جو امور اسباب عادیہ سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً کسی بھوکے کا کسی سے روٹی مانگنا یہ تو شرک نہیں، باقی انبیاء و اولیاء کے ہاتھ پر جو خلاف عادت واقعات ظاہر ہوتے ہیں، وہ معجزات و کرامات کہلاتے ہیں، اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے، مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا، یہ ان کی قدرت سے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا تھا، یہ بھی شرک نہیں، یہی حال فرشتوں کا ہے جو مختلف کاموں پر مامور ہیں، امورِ غیر عادیہ میں کسی نبی یا ولی کا متصرف ماننا شرک ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۲،ص۴۳)

کافر اور مشرک میں کیا فرق ہے؟

مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں سے کسی بات سے جو انکار کرے وہ ”کافر“ کہلاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات میں، صفات میں، یا اس کے کاموں میں کسی دوسرے کو شریک سمجھے وہ ”مشرک“ کہلاتا ہے۔

مسئلہ کافر اور مشرکوں کے نجس ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں یہ تو قرآنِ کریم کا فیصلہ ہے؛ لیکن ان کی نجاست ظاہری نہیں، معنوی ہے؛ اس لیے کافر و مشرک کے ہاتھ منہ اگر پاک ہوں (ظاہری نجاست لگی نہ ہو تو) ان کے ساتھ کھانا جائز ہے، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے دسترخوان پر کافروں نے بھی کھانا کھایا ہے۔ (آپ کے مسائل: ص ۴۳)

مسئلہ ہر مشرک تو کافر ہے لیکن ہر کافر مشرک نہیں، کافر تو وہ بھی ہوتا ہے جو ضروریاتِ دین، نص قطعی وغیرہ کا انکار کرے؛ مگر اس کو مشرک نہیں کہتے بلکہ مشرک اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے، خواہ ذات میں خواہ صفات و افعال وغیرہ میں، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نہ بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۱۷)

کسی کو کافر کہنا

مسئلہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دوسرے کو کافر کہا، ان میں سے ایک کفر کے ساتھ لوٹے گا، اگر وہ شخص جس کو کافر کہا، واقعتاً کافر تھا تو ٹھیک، ورنہ کہنے والا کفر کا وبال لے کر جائے گا، کسی کو کافر کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸ ص ۳۵۵)

سوال الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب اگر آپ اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منور کر رہے ہیں اور اعلیٰ درجے کا آپ کو سنت سے تعلق ہے، سارا عمل سنت کے موافق ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہو گئی اور محبت آگے بڑھ کر عشق کے درجہ تک پہنچ گئی اور یہاں سے مدینہ منورہ تک جتنے حجابات تھے، سارے آپ کے لیے اٹھا دیئے گئے اور آپ کو یہیں سے کھڑے کھڑے روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نظر آ رہا ہے، تو بلا تکلف پڑھئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! کسی کے روکنے سے نہ رکیے، اور اگر حجابات نہیں اٹھے، یہاں سے روضۂ مقدسہ آپ کو نظر نہیں آتا تو معلوم ہوتا ہے عشق میں کمی ہے؛ لہٰذا آپ یہاں سے پڑھئے، اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد (آخر تک)

لہٰذا تکلیف کیجئے اور سفر کیجئے، مدینے پاک پہنچ کر روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ دھیمی آواز سے وہاں پڑھئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! دور سے بڑوں کو چلّا چلّا کر پکارنا یہ بے ادبی ہے، کھیت والوں کا طریقہ ہوتا ہے، کھیت والے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اے فلانے! کوئی جواب میں کہتا ہے ہاں بھئی! بڑوں کو اس طرح نہیں پکار سکتے، بڑوں کے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا جاتا ہے

(قرآن پاک میں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود ہے، یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم (الآیۃ) اپنی آواز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، بعضے آدمی کی آواز قدرتاً بلند تھی، بات کرنے میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔

جیسے وہاں آیت نازل ہوئی اپنی آواز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، ولا تجھروا لہ بالقول نبی کے سامنے ایسے زور سے نہ بولو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بولا کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، جو لوگ آواز دھیمی اور ہلکی کرتے ہیں نبی کے سامنے، یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ہے، ان کے دلوں میں تقویٰ موجود ہے؛ لہٰذا اس آیت کے نزول کے بعد بعضے صحابہؓ تو اس طریقہ سے بولتے تھے کہ بار بار پوچھنے کی نوبت آتی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، ڈر کے مارے کہ زور سے بولنے سے کہیں اعمال حبط نہ ہو جائیں، ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات جو لوگ دور سے کھڑے ہو کر چلا کر پکارتے ہیں ان کو قرآن نے بے وقوف کہا ہے اکثرھم لا یعقلون یہاں سے یا کسی اور مقام سے آواز دے کر چلانا، یا رسول اللہ! اس طرح سے چلانے والے کو قرآن نے بیوقوف کہا ہے۔

لہٰذا دور سے کھڑے ہو کر چلانا، آواز لگانا، دور سے اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا جیسے اسکول کے بچے پہاڑے پڑھا کرتے ہیں، ایک نے ایک لفظ کہا، پھر سب نے مل کر وہی کہا (یہ طریقہ) غلط ہے، نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث پاک سے، نہ صحابہؓ نے ایسا کیا، نہ ائمہ مجتہدین نے کیا، آپ درود شریف پڑھئے ایک کونہ میں بیٹھ کر پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ ہر طرف سے دل کو ہٹا کر آپ پڑھئے جتنا جی چاہے پڑھئے کوئی آپ کو روک نہیں سکتا، اگر روکے تو نہ رکئے اس کا کہنا وحی تو نہیں ہے، نہ رکئے، اتنی بات ہوئی۔
اس واسطے صلوٰۃ وسلام صیغۂ خطاب کے ساتھ یا ندا کے ساتھ یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک کہے یا رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیک یہ زور زور سے چلا کر پڑھنا، ایک آواز ملا کر گا گا کر یہ غلط طریقہ ہے اور یہ بھی ساتھ ساتھ تصور ہو کہ براہِ راست آپؐ یہاں تشریف فرما ہیں اور زیادہ غلط ہے اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد پڑھنا چاہئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں آ کر عقائد خراب بھی نہ ہونے پائیں، عقائد کو صاف اور

صحیح رکھنا ضروری ہے۔

جوش اور محبت میں آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو، جس میں عقائد کو خطرہ ہو، اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ جوش اور محبت ہی کا نتیجہ تھا جو یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو پوجا تھا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور جتنے بت پرست ہیں جن چیزوں کو معبود قرار دیتے ہیں جوشِ محبت ہی کا نتیجہ ہے؛ اس لیے اسلام میں جوش اور محبت کے حدود قائم کر کے ان حدود کو مقید کیا گیا ہے۔

اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت ضرورت ہے، عقیدے پر مدار نجات ہے، ایمان کا مدار عقیدے کی صحت پر ہے، عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا، نجات نہیں ہوگی۔

(ملفوظات جامع شریعت استاذی حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، حوالہ انور، اکتوبر ۲۰۰۲)

مسئلہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے قریب سے درود شریف پڑھتا ہے تو آپؐ اس کو سنتے ہیں (چونکہ آپؐ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے) اور جو شخص دور سے درود شریف پڑھتا ہے تو وہ آپؐ کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے (خود نہیں سنتے حدیث سے ثابت ہے) پس دور سے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ" اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ ملائکہ، صلوٰۃ وسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتے ہیں تو درست ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی کو خط لکھتا ہے اور اس میں صیغۂ (لفظ) خطاب استعمال کرتا ہے اور جانتا ہے کہ مکتوب الیہ کے پاس میرا خط بذریعہ ڈاک پہنچے گا، یہ درست ہے، اور اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا توسط اس کو سنتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو یہ اعتقاد احادیث اور شریعت کے خلاف ہے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں۔ اس اعتقاد سے توبہ فرض ہے کیونکہ یہ عقیدہ شرک ہے، عوام چونکہ اس فرق کو نہیں سمجھتے اس لیے ان کو ایسے موقع پر صیغۂ خطاب استعمال کرنے سے روکنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ٦، ص ٧٣)

مسئلہ مصیبت اور حاجت کے وقت انبیاء علیہم السلام یا اولیاء اللہ کو دور سے مدد کے لیے بعض حضرات پکارتے ہیں، یہ عقیدہ بھی اسلام کے خلاف ہے، جب ایسا عقیدہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رکھنا کفر ہے تو کسی اور نبی یا ولی کے متعلق کیسے درست ہوگا، یا رسول اللہ! اس عقیدہ سے کہنا کہ ہر جگہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آواز کو خود سنتے ہیں، ناجائز ہے اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ آپؐ کو اس کی اطلاع کرتے ہیں درست ہے؛ لیکن عوام کے عقائد میں ضرور اس سے فساد آتا ہے؛ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

مسئلہ ایھا النبی! نماز میں پڑھنا شرعاً ثابت ہے؛ لہٰذا اس کو پڑھنا جائز ہے اور عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے درود وسلام آپؐ تک پہنچتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۵، ص۲۷۶، بخاری شریف: ج۳، ص۲۶، مظاہر حق: ج۲، ص۲۵۷)

یا رسول اللہ! کہنا کیسا ہے؟

مسئلہ یا رسول اللہ! کہنے میں بڑی تفصیل ہے، بعض طریقے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے، بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں، قبر شریف کے پاس درود سلام پڑھا جاتا ہے تو آپؐ خود سنتے ہیں اور کسی دور دراز مقام سے صلوٰۃ وسلام بھیجا جائے تو فرشتے آپؐ کی خدمت اقدس میں بھیجنے والے کے نام کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور آپؐ اس کا جواب دیتے ہیں (یہ حدیث سے ثابت ہے) نزدیک ہو یا دور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت یا رسول اللہ! کہا جائے تو وہ جائز ہے؛ مگر یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ دور سے پڑھے ہوئے درود وسلام آپؐ کو بذریعہ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرح بہ نفس نفیس سن لینے کا عقیدہ نہ رکھے، اسی طرح التحیات میں السّلام علیک ایھا النبیّ! کہہ کر سلام پہنچایا جاتا ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، نیز قرآن شریف پڑھتے وقت یا ایھا المزّمّل! عبادت کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس کو حاضر وناظر کی دلیل بنا لینا جہالت ہے، حاضر وناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوش محبت میں یا رسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے، کبھی غایت محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر وناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لیے لفظ ''ندا'' بولتے ہیں، یہ بھی جائز ہے، کبھی صرف تخیل کے طریقہ کے ساتھ شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہوتا (شعراء تو دیواروں اور کھنڈرات کو بھی مخاطب بناتے ہیں) یہ ایک محاورہ ہے، حاضر وناظر وغیرہ کا کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا؛ البتہ بغیر صلوٰۃ وسلام حاضر و

ناظر جان کر حاجت روائی کے لیے اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ!، یا علی!، یا غوث! وغیرہ کہنا بیشک ناجائز اور ممنوع ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے، چاہے نبی ہو، یا ولی، حاضر و ناظر اور حاجت روا ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے، حاضر و ناظر صرف خدا کی ذات ہے۔

غرض یہ کہ یا رسول اللہ!، یا غوث! وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، یا ہماری پکار اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں، جائز نہیں ہے، اگر اپنا عقیدہ نہ ہو لیکن اوروں کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہو تب بھی جائز نہیں ’کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں (یہ کلمات کفریہ ہو جاتے ہیں جبکہ حاضر و ناظر جان کر کہے) (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۴۸، بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ج۱، ص۴۱، وفتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۹۰)

مسئلہ علمائے دیوبند کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی زیارت افضل المستحبات؛ بلکہ قریب واجب اور بڑی فضیلت اور اجر عظیم کا موجب ہے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱، ص۶۶، بحوالہ زبدۃ المناسک: ص۱۱۳)

یا رسول اللہ! کہنے کی تفصیل

قرآن کریم کی بہت سی آیات سے بالکل واضح اور قطعی طور پر مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہیں:

ایک یہ کہ صرف خدا ہی وہ ہستی ہے جو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور نہ صرف پکار کو سنتا ہے بلکہ دل ہی دل میں مانگی جانے والی دعاؤں کو بھی سنتا ہے اور قلب و ذہن کی ہر ہر کیفیت سے باخبر ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام انبیاء و اولیاء اس کے بندے ہیں اور بشر (انسان) ہیں، ان میں کوئی مافوق البشر طاقت و صلاحیت نہیں ہے، ان سے جن معجزات یا کرامات کا ظہور ہوتا ہے وہ اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ اسے مناسب سمجھے اور وہ ارادہ فرمالے۔

تیسرے یہ کہ اللہ کے سوا کسی ہستی میں کوئی بھی ایسی صلاحیت فرض کر لینا شرک ہے

جو اللہ کے لیے مخصوص ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات ہی میں یکتا نہیں صفات میں بھی یکتا ہے، ہر وقت ہر جگہ موجود ہونا اور ہر دعاء و پکار، فریاد و گزارش کو سن کر اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اس کا کام ہے، یہ وصف کسی اور میں نہیں ہو سکتا اور جو لوگ اس وصف کو کسی اور میں تسلیم کریں گے وہ مشرک ہوں گے۔

یہ تینوں باتیں جب قطعی اور اٹل ہو گئیں تو اب کسی بھی دلیل سے ان کے خلاف عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا، ہر استدلال کو رد کیا جا سکتا ہے مگر قرآن کو نہیں رد کیا جا سکتا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ خدا کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں اور یا رسول اللہ! کا نعرہ اس عقیدہ کے ساتھ لگانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر فرشتوں کے توسل خود سن رہے ہیں شرک کی بدترین قسم ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ (محمد رفعت قاسمی)

یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ پڑھنا

سوال یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ لکھنا اور بطور وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب اس جملہ میں حضرت سید عبدالقادر صاحبؒ سے کچھ اللہ کے واسطے مانگا گیا ہے، سوال خود ان ہی سے ہے اور اللہ جل جلالہ وعم نوالہٗ کو وسیلہ بنایا گیا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، برعکس ہو گیا، مانگنا چاہئے تھا اللہ تعالیٰ سے پاک مالک الملک سے اور وسیلہ بنا لیا جاتا ہے اس کے مقبول بندہ کو مگر یہاں معاملہ الٹا ہو گیا، اس کا وظیفہ ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ص ۱۸۱، ص ۱۹۸)

مسئلہ مذکورہ وظیفہ پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ شیخ عبدالقادرؒ ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب وغیرہ وغیرہ ہیں، شرعاً کسی طرح جائز نہیں، ایسا عقیدہ حرام بلکہ شرک ہے؛ کیونکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو شخص کسی اور میں ان صفات کا عقیدہ رکھتا ہو، فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے، پس ایسے وظیفہ کا کتبہ مسجد میں آویزاں کرنا بھی جائز نہیں اور مسجد کی پیشانی پر کندہ (کھدائی) کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور اس کا مٹانا باعث اجر ہے۔

یا شیخ عبدالقادر! کی جگہ یا ارحم الراحمین پڑھنا چاہئے، جس کے قبضۂ قدرت میں شیخ عبدالقادرؒ؛ بلکہ تمام عالم ہے، خلاف شرع عقیدہ رکھنے والوں کو کسی بہتر تدبیر شرعی سے سمجھا

بجھا کر راہِ راست پر لانا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۶، ص ۵۷، ونظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۵۲)

یا شیخ عبدالقادر شیئاً للّٰہ کا وظیفہ ایسا کھلا شرک ہے کہ اگر کہیں سچی اسلامی حکومت قائم ہوتو وہ ایسا وظیفہ پڑھنے والوں اور ایسا نعرہ لگانے والوں کو مرتد قرار دے کر ان سے توبہ کا مطالبہ کرے گی، اور اگر توبہ نہ کریں تو گردن اڑا دے گی، غلط قسم کی تعلیمات کے کوڑے کرکٹ میں اگر قرآن کریم وحدیث شریف کے آب دار موتی چھپا نہ دیئے گئے ہوتے تو بیوقوف سے بیوقوف مسلمان بھی ایسے وظیفوں کے چکر میں نہیں آسکتا تھا؛ مگر غلط قسم کی پیری ومریدی اور بگڑے ہوئے تصوف نے سادہ دل اور خدا پرست مسلمانوں کے دل ودماغ پر چھاپا مار کر ان کی عقل خراب کردی۔

یاد رکھو! قیامت کے دن جب حساب کتاب ہوگا تو ہمارے سب کے عقائد واعمال بس قرآنِ کریم اور احادث قویہ ثابتہ کی کسوٹی پر جانچے دپرکھے جائیں گے، وہاں پر نہ بڑے پیر صاحب کام آئیں گے نہ چھوٹے، سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ تو صاف کہہ دیں گے، اے اللہ! میری کچھ خطا نہیں، میں تو اپنی قبر میں پڑا تھا اور زندگی بھر میں نے توحید کی تعلیم دی، یہ شیطان نے بہکا کر سکھا کر سارا فساد پھیلا دیا ہے، کم عقل لوگ اگر شیطان کے بہکاوے میں آکر مجھ کو دستگیر اور حاجت روا اور نہ جانے کیا کیا سمجھنے لگے، تو میرا اس میں کیا قصور؟ میری تو مغفرت فرما دیجئے ان کا جو چاہیں کریں۔

اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ شاہ صاحبؒ تو کیا بڑے سے بڑے بزرگ و پیر نے بھی اگر کوئی قول یا فعل ایسا کہا ہوگا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو ان سے باز پرس ہوگی، خدا کی عدالت میں سب بندے مسئول ہیں، انبیاءؑ تک اس کے خوف سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (محمد رفعت قاسمی)

یاغوث الاعظم المدد، پکارنا

سوال حضرت امام حسینؓ سے "یا حسینؓ امداد کن" "یا حسینؓ اغثنی" پکار کر مدد طلب کرنا، روزی اور اولاد چاہنا، جائز ہے یا نہیں؟ یاغوث الاعظم دستگیر اغثنی باذن اللہ یا شیخ محی الدین مشکل کشا بالخیر، اس طریقہ سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس طرح پکار کر مدد مانگنے اور مذکورہ وظیفہ

پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں، ممانعت ہے، وسیلہ پکڑنا جائز ہے؛ مگر اس کا یہ طریقہ نہیں ہے، مذکورہ طریقہ جاری رہنے سے دوسروں کے بھی عقائد، فاسد ہونے کا خوف ہے؛ لہٰذا اس وظیفہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے، خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے اولاد مانگنا، بیمار کے لیے شفا طلب کرنا، اہل قبور سے روزی مانگنا، مقدمہ میں کامیاب کرنے کی درخواست کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مشرکانہ فعل ہے؛ اس لیے کہ عبادت اور طلب حاجت و استعانت فقط اللہ ہی کا حق ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۷، وج۱، ص۱۰۶، بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ص۴۵۳، فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۴۰)

مسئلہ ان اعتقادات اور اعمال سے ایمان سلامت نہیں رہتا، اس عقیدہ کو (غوث الاعظم وغیرہ سے مانگنے کو) فقہاء نے کفر لکھا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۱۲۳)

مسئلہ خدا کو چھوڑ کر دوسرے اہل قبور سے اولاد مانگنا بیمار کے لیے شفا چاہنا اور رزق طلب کرنا مشرکانہ فعل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳، ص۴، وفتاویٰ رشیدیہ: ص۱۴۲، ومحمودیہ: ج۱، ص۱۰۸)

مسئلہ قبرستان بحالت قیام، قبلہ رخ ہو کر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا آداب میں سے ہے اور مسنون ہے بدعت نہیں ہے، نیز بیٹھے ہوئے بلا ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی دعا جائز ہے؛ لیکن دعا کے وقت ایسی ہیئت اختیار نہ کی جائے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو کہ اہل قبور سے حاجت طلب کر رہا ہے، اسی لیے جب ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو قبر کی طرف منھ نہ ہونا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۳، ص۱۰۲، بحوالۂ مسلم شریف: ج۱، ص۳۱۳، عالمگیری: ج۵، ص۳۵)

مسئلہ مراد و حاجت صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لیے پکارنا منع ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں ولی سنتے اور مدد کے لیے آتے ہیں تو یہ عقیدہ قطعاً غلط اور تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے اور سخت خطرناک ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۱۱۱)

بزرگ کے نام کی چوٹی رکھنا

سوال ہمارے یہاں دستور ہے کہ بچوں کے سر کے بال نہیں کاٹتے بلکہ بزرگوں

کے نام کی چوٹی، ایک مدت تک رکھ کر، پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ بزرگ کے مزار پر پہنچ کر چوٹی کاٹتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب یہ طریقہ غیر اسلامی ہے، اہل سنت والجماعت کے عقیدے اور طریقے کے خلاف ہے اور بدعت ہے، اسلامی طریقہ تو یہ ہے کہ ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا جائے، اس کے بجائے کسی بزرگ کے نام کی چوٹی رکھنا اور اس کے مزار پر جا کر کاٹنا، اسلامی طریقے کے خلاف اور ایک قبیح بدعت اور مشرکانہ فعل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳، ص۱۹۲)

مسئلہ بزرگوں کے نام پر بچوں کے سر پر چوٹی رکھنا اور پھر مقررہ وقت پر درگاہوں میں جا کر منڈوانا حرام اور شرک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۰۹)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا کہنا

سوال حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے شجرات اور حضرت نانوتویؒ کے قصائد میں ایک دو مقام ایسے ہیں جن کو بریلوی حضرات سامنے رکھ کر ہمارے نوجوانوں کے ذہن خراب کرتے ہیں، ہم کو ان اشعار کا مطلب اور حکم مطلوب ہے۔

جواب ۱۔ اصطلاحات کے فرق سے مفہوم میں فرق ہو جاتا ہے۔ ''مشکل کشا'' فارسی کا لفظ ہے، اور اس کے معنی ہیں ''مشکل مسائل کو حل کرنے والا'' اور یہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، عربی میں اس کا ترجمہ ''حل العویضات'' ہے، اور اردو میں آج کل ''مشکل کشا'' کے معنی سمجھے جاتے ہیں، ''لوگوں کے مشکل کام کرنے والا'' حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے شعر میں مشکل مسائل کو حل کرنے والا معنی مراد ہیں، یہ معنی مراد نہیں ہے۔

۲۔ حضرت نانوتویؒ کے قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے استشفاع ہے ''کرم احمدی'' کو خطاب ہے اور یہ استمداد (مدد) دنیا کے کاموں کے لیے نہیں؛ بلکہ آخرت میں اور دنیا میں استقامت علی الدین کے لیے ہے۔

جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی آواز ان کے محبوب کے کان تک نہیں پہنچتی، اور واقعتاً ان کو سنانا مقصود بھی نہیں ہوتا، یہ بلکہ اظہارِ عشق و محبت کا ایک پیرایہ ہے، اسی طرح اکابر کے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو جو خطاب کیا گیا ہے، وہاں اظہارِ عشق و محبت اور طلب شفاعت مقصود ہے نہ کہ اس زندگی میں اپنے کاموں کے لیے مدد طلب کرنا۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۲۷۵، تفصیل کے لیے دیکھئے "اختلاف امت اور صراط مستقیم")

مسئلہ "مشکل کشا" صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کسی اور کو (حضرت علیؓ وغیرہ کو مشکل کشا) کہنا درست نہیں ہے اور حضرت علیؓ کو جو "مشکل کشا" بعضوں نے کہہ دیا ہے وہ "حَلُّ المُعْضَلَات" کا ترجمہ ہے جو ان کی شان میں وارد ہے اور اس کا مفہوم یہ نہیں ہے جو عام طور پر عوام میں مشہور ہو گیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؓ مشکل سے مشکل مقدمات و معاملات کا فیصلہ نہایت آسان فرما دیتے تھے اور یہ معنی صحیح اور درست ہیں۔

(نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۸۸)

مسئلہ مشکلات حل کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو آواز دینا (یا علی مشکل کشا کہنا) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس سے مشکلات حل ہوتی ہیں، غلط ہے اور مشابہ کفر ہے، اس سے توبہ اور احتیاط لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۸۱)

اولیاء اللہ کو حاجت روا سمجھنا

مسئلہ اکثر عوام، حضرات اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کاروبار میں ترقی ہوگی، مال و اولاد میں زیادتی ہوگی، ہمارا رزق بڑھے گا، اولاد کی عمر بڑھے گی؛ اس لیے ہر مسلمان کو جاننا چاہئے کہ اس طرح کا عقیدہ محض شرک ہے، تمام قرآنِ کریم اس عقیدہ کے ابطال سے بھرا پڑا ہے، اور بعض لوگ زبردستی تاویل کرتے ہیں کہ ہم قادر مطلق، عالم الغیب، حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں سمجھتے ہیں؛ مگر بزرگوں کا توسل تو جائز اور ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توسل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وسائل کو کارخانۂ تکوین میں کچھ دخیل سمجھا جائے تو خواہ ان کو فاعل (کام کرنے والا) سمجھیں، اس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کارخانے سپرد کر رکھے ہیں اور خواہ یوں سمجھیں کہ فاعل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے؛ مگر ان حضرات کے عرض و معروض کرنے سے اللہ تعالیٰ کو ضرور ہی ہمارا کام کرنا پڑتا ہے، ایسا فعل تو شرک محض ہے۔

مشرکین عرب کے عقائد بھی اسی قسم کے تھے، وہ بھی اصنام (بتوں) و ارواح کو فاعل بلا صالت نہ جانتے تھے؛ بلکہ اسی طرح کارکن سمجھتے تھے جیسا کہ آیت وَلَئِنْ سَأَلْتَهُم الخ (ترجمہ) اگر آپؐ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمان وزمین کو؟ تو وہ کہیں گے: ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے، ان عقائد کی یہ آیت شاہد ہے۔

یہاں ایک موٹی سی بات سمجھنے کے قابل ہے کہ کسی شخص سے کسی چیز کی توقع رکھنے کے لیے کئی امر کا جمع ہونا ضروری ہے، اول: تو اس شخص کو اس کی حاجت کی اطلاع ہو، دوسرے: اس کے پاس وہ چیز بھی موجود ہو، تیسرے: اس کو دینے کی قدرت بھی ہو، چوتھے: اس سے بڑا کوئی روکنے والا نہ ہو، پانچویں: اس کے پاس ذرائع اس چیز کو اس شخص تک پہنچانے کے بھی ہوں۔

اب خیال فرمائیں جو شخص بزرگوں سے اولاد و رزق وغیرہ کی توقع رکھتا ہے، مانگنے والوں سے پوچھنا چاہئے کہ اوّل ان اولیاء کو تمہاری حاجت کی اطلاع کیسے ہوئی؟ اگر کہو کہ ان کو (اولیاء اللہ کو) تو سب کچھ معلوم ہے تو یہ شرک صریح ہے، اور اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو اطلاع کر دیتا ہے، تو یہ محال تو نہیں؛ مگر کچھ ضروری بھی نہیں، بلا حجت شرعیہ کسی امر ممکن کے وقوع کا عقیدہ رکھنا محض معصیت و کذب قلب ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرآنِ کریم میں فرمان ہے کہ ''جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کرو''

اور پھر ان اولیاء اللہ کے پاس رزق اور اولاد کہاں جمع رکھا ہے، جو نعمتیں اولیاء کے پاس ہیں وہ اور چیز ہیں، بچوں اور روپیوں کا ڈھیر ان کے پاس نہیں لگا ہے، پھر یہ کہ قدرت کو اگر ذاتی ان کا سمجھا جائے تب تو شرک ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تصرف دیا ہے تو اس کے لیے دلیل شرعی کی حاجت ہے اور بغیر اس کے یہ اعتقاد بھی باطل و افتراء (بہتان) محض ہے؛ بلکہ قرآن وحدیث شریف میں تو لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ہے جس سے دوسروں سے ایسی قدرت کی نفی ہو رہی ہے، پھر یہ کہ کس طرح معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں وہ ہرگز اس تصرف سے نہ روکیں گے، جس طرح چاہتے ہیں وہی ہو جائے گا، اگر ایسا کوئی سمجھے یعنی یہ کوئی سمجھے کہ اولیاء جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں، تو اس نے تمام قرآنِ کریم کی تکذیب کی، پھر وہ ذرائع دریافت کیے جائیں کہ اولاد اس کو کس طرح دی اور کس طرح ان کے پاس بھیجا؟ اور اگر

ان تمام اشکالات کے جواب میں کوئی یوں کہے، وہ لوگ یعنی اہل قبور دعاء کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ویسا ہی کر دیتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہی ہے کہ دعاء کے لیے اول ان کو اطلاع کی ضرورت ہے اور اس کی دلیل کوئی نہیں، پھر بعد اطلاع اس کی دلیل کیا ہے کہ وہ دعاء کر ہی دیتے ہیں؟ پھر دعاء کے بعد اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور ہی قبول ہو جاتی ہے؟ غرض توسل کے یہ معنی نہیں ہیں، اور یا الٰہی فلاں مقبول بندہ کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما دیجئے، جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعاء مانگی تھی، تو ایسا توسل بلاشک جائز ہے اور جیسے جہلاء کا عقیدہ ہے وہ محض شرک ہے، یاد رکھو! جن کمالات کا اختصاص حق تعالیٰ کے ساتھ عقلاً ونقلاً ثابت ہے ان کمالات کا کسی دوسرے میں اعتقاد کرنا ''شرک اعتقادی'' ہے، اور جن معاملات اور افعال کا خاص ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہے، وہ برتاؤ کسی سے کرنا ''شرک فی العمل'' ہے

اس قاعدہ کے لحاظ کرنے سے انشاء اللہ کسی بلا میں مبتلا نہ ہوں گے۔

(اصلاح الرسوم: از مولانا اشرف علی تھانویؒ)

بزرگوں کو مختار کل سمجھنا

مسئلہ آج کل کثرت سے مسلمانوں کے عقیدے بھی خراب ہو گئے ہیں، بزرگوں کو مختارِ کل سمجھتے ہیں جو عقیدے غیر مسلموں کے تھے وہ مسلمانوں کے بھی ہو گئے، کتنے بڑے ظلم کی بات ہے، یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اگر کسی بزرگ کو اعتقاد سے تو بندہ ہی سمجھے؛ مگر معاملہ ان کے ساتھ خدا کا سا کرے وہ بھی شرک میں داخل ہے۔

(انفاس عیسیٰ: ص ۵۵۲)

مسئلہ بزرگوں کے متعلق اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ان کو ایسا اختیار دیا ہے کہ جب چاہیں اس اختیار سے تصرف کر سکتے ہیں تو حق تعالیٰ کی مشیت جزئیہ کی ضرورت نہیں رہتی، یعنی یہ اعتقاد ہو کہ وہ بزرگ اگر کسی کام کو کرنا چاہیں اور حق تعالیٰ نہ اس کام کو روکیں نہ اس کام کا ارادہ کریں تو ایسی حالت میں اگر وہ بزرگ چاہیں تو اس کام کو کر سکتے ہیں، یہ یقینی کفر اور شرک اکبر ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۴)

مسئلہ اگر ان بزرگ کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ مشیتِ ایزدی کے محتاج تو ہیں اور اذنِ جزئی کی (تھوڑی سی اجازت کی) بھی ان کو ضرورت تو ہوتی ہے مگر ان کے چاہنے کے وقت مشیت ایزدی ہو جاتی ہے (اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو ہی جاتا ہے) تو گو یہ شرک و کفر تو نہیں؛ مگر کذب فی الاعتقاد و معصیت اور شرک اصغر ہے۔ (مآثر حکیم الامت: ص ۱۷۲)

مسئلہ بعض مریض یا اس کے متعلقین صدقہ کرنے میں ایک یہ غلطی کرتے ہیں کہ بزرگ مرحوم کے نام کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں یا کھلاتے ہیں اور اس میں ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خوش ہو کر کچھ سہارا (مدد) لگا دیں گے، یہ عقیدہ شرک ہے۔

مسئلہ بعض لوگ بجائے مدد کے ان کی دعاء کا یقین رکھتے ہیں، وہ بھی اس طرح کہ ان کی دعاء رد نہیں ہو سکتی، ایسا اعتقاد بھی خلاف شرع ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۲۳ بحوالہ اصلاح انقلاب: ص ۲۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ماننا

سوال زید کا اعتقاد ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تصرف عطا فرمایا کہ عالم میں جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں اللہ کے حکم سے تشریف فرما ہو جائیں، زید نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتا ہوں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے پیچھے نماز جائز نہیں اس کی وضاحت کریں، اور یہ بھی کہ زید مسلمان ہے یا نہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام عطا فرمایا جو کسی کو نہیں ملا، اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اور جب چاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے اور جس چیز پر چاہے مطلع فرما دے، اس اعتبار سے حاضر و ناظر آپ ؐ کی صفت نہیں بنے گی، حاضر و ناظر وہ ہے جو ہر جگہ، ہر وقت، ہر شی (چیز) کے حق میں حاضر و ناظر ہو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، زید نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کے اعتبار سے خدا پاک کی دوسری صفات بھی دوسروں کے لیے ثابت کی جا سکتی ہیں، جس میں عقائد کے فساد کا قوی اندیشہ ہے، تاویل مذکور کے اعتبار سے زید پر کفر و ارتداد کا حکم نہ لگایا جائے؛ مگر اطلاق کو موجب ضلال کہا جائے گا، زید کو اس سے باز آنا لازم ہے، جب تک وہ باز نہ آئے اس کو امام نہ بنایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۱۰۸)

مسئلہ علم غیب، کلی طریق پر کہ کوئی ذرہ مخفی نہ رہے بلکہ ہر چیز ہر وقت سامنے ہو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر چیز سے باخبر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، کوئی ولی یا نبی یا فرشتہ اس صفت میں شریک نہیں؛ لہٰذا کسی اور کو اس صفت میں شریک اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰، ص۲۱) (تفسیر ابن کثیر پارہ پانچ، سورۂ نساء، و بخاری شریف: ج۲، ص۴۵۶)

مسئلہ جس شخص کا عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حاضر و ناظر ہونے کا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جانتا ہے تو یہ عقیدہ شرکیہ ہے، اس کو فوراً توبہ کرنا ضروری ہے ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۹۴) (بخاری شریف: ج۲، ص۱۹۵، ومشکوٰۃ: ج۱ ص۴۷۶، وکفایت المفتی: ج۱، ص۱۶۴)

(فرشتوں کو یا نبیوں کو یا ولیوں کو جو کچھ غیب کی باتیں بتائی گئیں وہ اطلاع علی الغیب ہے اور عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے، ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام زمین و آسمان کے رہنے والوں سے زیادہ علم و عزت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑی ہستی اور سب سے بڑا مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے؛ مگر عالم الغیب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی بھی نہیں ہے، صرف وہ ہی ایک ذات تنہا ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہ تھے؟

مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بشر (انسان) ہونا قطعی ہے، حدیث و قرآن سے ثابت ہے، اس کا منکر نص قرآنی و احادیث کا منکر ہے، اہل بدعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ہی کے منکر ہیں، حالانکہ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ آپ ؐ کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بشر (انسان) کہیں تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشریہ کا امت کو علم ہو جائے اور وہ عیسائیوں کی طرح آپ ؐ کو الوہیت (خدائی) میں داخل کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہوں "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" (اور بہت جگہ پر یہ الفاظ آئے

ہیں) مشکوۃ ج ۲، ص ۲۷۹، میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ نماز میں سہو (بھول) ہو گیا، آپؐ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر (انسان) ہوں، جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

آیات قرآنی و احادیث صحیحہ اور اقوال بزرگان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے شک بشر اور انسان تھے؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے قائل کو کافر سمجھنا، کافر کہنا اور خارج از اسلام بتانا قطعاً غلط اور باطل ہے بلکہ مفتیٔ بغداد علامہ نے اپنی کتاب تفسیر روح المعانی میں فتویٰ نقل فرمایا ہے جس میں اس کو کافر قرار دیا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرے؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر جاننا اور سمجھنا، صحت ایمان اور شرائط اسلام میں سے ہے۔

(تفسیر روح المعانی: ج ۲، ص ۱۰۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہی ہیں؛ مگر مجموعۂ بشر سے عالی مرتبت، افضل و اکمل اور اقدس و اطہر ہیں، بہر حال جس طرح آپؐ کو بشر ماننا جزو ایمان ہے، ایسے ہی آپؐ کی بشریت کو ہر بشر (انسان) سے بالا اور مقدس ماننا ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۹۵ بحوالہ بخاری ج ۲، ص ۲۳۲، ج ۲ ص ۱۰۶۲، عینی شرح بخاری: ج ۱، ص ۲۵۷، وشرح معانی الآثار: ج ۱، ص ۲۸۷ و احسن الفتاویٰ ج ۱، ص ۵۷)

سلام پڑھنے کے وقت آپؐ کی آمد کا عقیدہ رکھنا

سوال بعض مساجد میں لوگ جمعہ یا دوسری نمازوں کے بعد "یا نبی سلام علیک اور یا رسول سلام علیک" وغیرہ وغیرہ کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں اور یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر جواب دیتے ہیں اور مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔

اور جو لوگ شریک نہیں ہوتے ان کو طرح طرح سے بدنام کرتے ہیں، کیا مسجد میں اس طرح سلام پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب یہ عقیدہ بدعتِ شنیعہ ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا (کہ آپؐ مجلس میں آتے ہیں) شرک کو مستلزم ہے، اس سے پرہیز کرنا اور اس رواج اور عقیدہ کو مٹانا، اس کی اصلاح

کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے، بالخصوص بااختیار لوگوں پر، اور ان ہی بااختیار لوگوں میں متولیانِ مساجد بھی ہیں، ان پر بھی روکنا زیادہ ضروری ہے، مسجد کے باہر بھی یہی حکم ہے، طریقہ مذکورہ پر سلام بغیر قیام ہو یا قیام کے (کھڑے ہونے کے) ساتھ، سب کا یہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۹۲)

مسئلہ حاضر و ناظر فقط اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کو حاضر و ناظر ماننا اور اس کا عقیدہ رکھنا شرک ہے؛ لہٰذا جو لوگ حاضر و ناظر کا عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے ہیں، شرک میں مبتلا ہیں، ان کو اس سے توبہ کرنا بیحد ضروری ہے، وہ عمل کے گناہ کے ساتھ غلط عقیدہ کے اندر بھی مبتلا ہیں اور جو لوگ بغیر اس عقیدہ کے اس پر دوام کرتے ہیں وہ بھی عاصی (گناہ گار) ہوتے ہیں۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۲۹۳)

مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا حاضر و ناظر نہیں، ایسا عقیدہ شرک ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ (جہاں پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، یا جلوہ گر ہوتے ہیں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے؛ بلکہ جو درود شریف پڑھا جاتا ہے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ ملائکہ (فرشتے) اس کو لے کر جاتے ہیں اور جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، وہاں پیش کرتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں کا درود شریف ہے، اس نے آپؐ پر پیش کیا ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۹۵ و کفایت المفتی: ج۱،ص۱۵۶)

مکالمہ میں کفریہ کلمات بولنا

سوال جلسوں میں مکالمے کیے جاتے ہیں، دو بچوں میں سے ایک بچہ خود کو کافر ظاہر کرتا ہے؛ البتہ اس کا عقیدہ ایسا نہیں ہوتا، صرف جلسوں میں دلچسپی پیدا کرنے یا تعلیم کی غرض سے یہ کیا جاتا ہے۔ کافر کا رول کرنے والا بچہ کہتا ہے کہ میں خدا کا منکر ہوں، خدا کا اقرار حماقت ہے وغیرہ وغیرہ کفریہ کلمات کہتا ہے اور جواب دینے والا لڑکا اس کو "اے کافر بچہ! مردود" وغیرہ کہتا ہے تو ایسے مکالمہ میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

جواب ضرورۃً کسی، منکر خدا اور مخالف اسلام کا کفریہ کلمہ اور عقیدہ نقل کیا جا سکتا

ہے کہ فلاں یوں کہتا ہے اور فلاں کا عقیدہ یہ ہے اور حکم بیان کرنے کی غرض سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یوں کہنا کفر ہے اور یوں کہنا کفر نہیں، اسی طرح حالت اکراہ (جان پر بننے پر) اور سخت ترین حالت خوف میں دل سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے صرف زبان سے کلمات کفر بولنے کی اجازت ہے۔ (سورۂ نحل)

اس کے علاوہ علیٰ سبیل الاختیار ہنسی مذاق میں یا تعلیمی مقصد سے بے تحاشہ زبان سے کلمات کفر بولنا اور محض ڈھونگ کے لیے کافرانہ اور فاسقانہ لباس پہننا، خود کو غیر مسلم بتلانا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگرچہ عقیدہ ایسا نہ ہو، ناجائز اور حرام ہے اور بعض صورتوں میں اندیشۂ کفر بھی ہے۔ مجموعہ فتاویٰ ج ۲، ص ۳۶۰ میں ہے کلمۂ کفر بولنا اگرچہ اعتقاد اس پر نہ ہو، کفر ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کفریہ کلمات کا استعمال کرنا اگرچہ عقیدہ نہ ہو، تب بھی حرام اور موجب غضب خداوندی ہے، جیسے کہ کوئی شخص تم کو گدھا یا سؤر کہے یا کوئی مغلظ گالی دے تو وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ تم گدھے سؤر یا ایسے ہو جیسا کہ گالی میں تم کو بتلا رہا ہے صرف زبان ہی سے کہہ رہا ہے؛ مگر بتلاؤ تو سہی تمہیں اس پر غصہ آئے گا یا نہیں؟ ضرور آئے گا، پس ایسے ہی سمجھو کہ کلماتِ کفر و شرک ضرور موجب غضب خداوندی ہوں گے۔

مطلب یہ کہ مذکورہ طریقہ جائز نہیں، لائق ترک ہے، تعلیم و اصلاح اس پر موقوف نہیں ہے، اس کے جائز طریقے بہت سے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱، ص ۴۳ بحوالۂ تذکرۃ الرشید: ج ۱، ص ۹۴)

مسئلہ اگر فرقۂ باطلہ سے مناظرہ سکھایا جائے تو کسی طالب علم کا اپنے آپ کو ان کے فرقوں میں شمار کرنا اور اہل حق کی تضلیل و تکفیر کرنا، ہرگز ہرگز جائز نہیں، سخت معصیت ہے؛ بلکہ اپنے ایمان کا خطرہ ہے، اقرار کفر اور اجراء کلمۂ کفر اگرچہ اعتقاداً نہ ہو، استہزاء ہو، اس کو بھی فقہاء نے موجب کفر لکھا ہے۔

اس لیے مناظرہ کا طریقہ اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان باطل فرقوں کی طرف سے ایک کہے: اگر قادیانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ اگر رضاخانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

کفریات کو کبھی بھی اپنا مقولہ بنا کر نہ پیش کرے اگر چہ جعلی وکیل کی نیت سے ہو، ویسے بھی کلمۂ کفر زبان پر لانا موجب ظلمت ہے جب تک کہ اس کی تردید نہ کی جائے۔
(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۸، ص ۱۲۴)

اپنے مسلمان ہونے کا انکار کرنا

سوال اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، حالانکہ وہ نماز وغیرہ کا بھی پابند ہے تو کیا وہ مسلمان شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب ایسا کہنا نہایت خطرناک ہے، اس کو توبہ واستغفار اور کلمہ پڑھنا لازم ہے، احتیاطاً تجدید نکاح کرے۔

اگر وہ اپنے ایمان کو کمزور سمجھتے ہوئے ایسا کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہونا چاہئے اور اس کے احکام کا پابند ہونا چاہئے وہ بات مجھ میں نہیں ہے اور بطور رنج وافسوس کے کہتا ہے گویا اللہ پاک سے قوی ایمان کی تمنا رکھتا ہے تو اس پر تجدید نکاح کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس کے احساس وافسوس کی تعریف کی جائے گی؛ مگر ایسا کہنے سے پھر بھی روکا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۲۰)

مفاد کے لیے اپنے کو غیر مسلم کہنا

سوال رمضان المبارک میں چند ہوٹل دن میں غیر مسلموں کے کھلے رہتے ہیں، ان ہوٹلوں پر غیر مسلموں کے علاوہ مسلمان روزہ خوروں کی ایک بڑی تعداد کھانا وغیرہ چھپ کر کھاتی ہے، اگر کبھی روزہ کے دوران ان ہوٹلوں پر پولیس کا چھاپہ پڑ جائے تو مسلمان روزہ خور بھی پکڑے جاتے ہیں، وہ سزا کے خوف سے پولیس کے سامنے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں، ان کا زبانی اقرار سن کر پولیس چھوڑ دیتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب یہ کہنے سے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے، مسلمان نہیں رہتا، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنی چاہئے اور آئندہ کے لیے ایسی مذموم حرکت سے توبہ کرنی چاہئے۔

روزہ چھوڑنے کے دوسرے عذر بھی تو ہو سکتے ہیں، کسی کو جھوٹ ہی بولنا ہے تو اسے کوئی اور عذر پیش کرنا چاہئے، اپنے کو غیر مسلم کہنا حماقت ہے (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۵۱)

سی آئی ڈی کا غیر مسلم بننا

سوال زید پیشہ خوردونوش (بہروپیہ) اپنے روپ بدلتا ہے جس سے اس کے ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے مثلاً ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے، گلے میں مالا ڈالتا ہے، یہ تو اس کے افعال ہوتے ہیں؛ مگر بعض مرتبہ وہ خود اپنا ہنود ہونا بیان کرتا ہے اور مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے تو ایسی حالت میں اس کے مسلمان رہنے اور نکاح قائم رہنے کی نیت کا کیا حکم ہے؟

۲۔ بکر ملازمت کی وجہ سے سرکاری سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کے مفرور ملزم کی تلاش یا کسی معلومات واقعہ کے لیے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے ایسا روپ بھرلے کہ انجان آدمی کو اس کے مسلمان ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ اس کو ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے اگرچہ وہ زبان سے ہندو ہونے کا مقر نہیں ہے تو ایسی حالت میں اسلام و نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب بلا ضرورت شدیدہ کفار کا مخصوص لباس استعمال کرنا ممنوع اور ناجائز ہے اور قشقہ لگانا کفر کا مذہبی شعار ہے جیسے زنار پہننا، اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور اپنے ہندو ہونے کا اقرار کرنا خود کفر ہے، اور ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ شخص مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح اس پہلی عورت سے جو اس کے نکاح میں تھی بلا حلالہ کیے شرعاً درست ہے۔

۲۔ اگر محض کفار کا لباسِ قومی اختیار کیا ہے تو اس سے کفر نہیں؛ بلکہ گناہ ہوتا ہے۔ اگر کفار کا شعار مذہبی اختیار کیا ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو اوپر نمبر ۱ میں مذکور ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۶، ص ۱۱۴ بحوالہ عالمگیری ج ۲، ص ۲۷۴ و قاضی خاں ج ۴، ص ۶۰۷ و شامی ج ۲، ۴۴۳)

مسئلہ رام اور رحیم کے ایک ہونے کا عقیدہ کفری عقیدہ ہے، جس کا یہ عقیدہ ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوگی۔ (نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۰۳)

نشہ کرنے والا کیا کافر ہے؟

مسئلہ شراب کے نشہ میں مرنے کے بعد ایمان زائل نہیں ہوتا، ایمان کفر سے زائل ہوتا ہے، اور یہ فعل (شراب پینا) کفر نہیں ہے؛ بلکہ معصیت (گناہ) کبیرہ ہے، یہ شخص مسلمان ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (اگرچہ نشہ میں مرا) البتہ زجر و توبیخ کے لیے عالم مقتدا اور امام جامع مسجد اس کی نماز نہ پڑھے، عام مسلمان نماز پڑھ کر دفن کر دیں اور اگر بغیر نماز پڑھے دفن کیا گیا تو سب گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ ڈاکہ زنی سے بھی ایمان زائل نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ شخص بھی مسلمان ہے، گو گنہگار ہے، اگر قاطع طریق بحالت ڈاکہ زنی قتل کیا جائے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور اگر گرفتار ہو کر قتل کیا جائے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

مسئلہ جو مسلمان بحالت زنا مر جائے اس کا حکم وہی ہے جو اوپر شرب خور کا حکم مذکور ہوا۔ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۷۰ و عین الہدایہ باب کراہت: ج ۴، ص ۲۸۶)

علماء کو گالی دینے والے کا حکم

مسئلہ کسی خاص عالم کو گالیاں دینے سے کفر نہیں ہوتا، اور مناظرہ وغیرہ کی گفتگو میں عام علماء سے ہی خطاب ہوتا ہے، اس سے مخاطب ہی مراد ہوتا ہے؛ لہٰذا کفر کا حکم نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ ایسے لوگ جو علماء کو گالیاں دیں وہ اس قابل نہیں کہ مسلمان ان سے ملیں، پس ان سے ملنا جلنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینا مسلمانوں کے ذمہ ہے، جب تک وہ اس گناہ سے توبہ نہ کر لیں۔ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۱۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا

سوال ایک مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، سبب دریافت کرنے پر کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو دھمکانے کی وجہ سے کہا ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسا شخص (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) بالکل ایمان سے نکل جاتا ہے اور اس کی بیوی بھی اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے، ایسے شخص پر توبہ اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح

ضروری ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ایسے شخص کی سزا قتل تھی؛ مگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ایسی سزا نہیں دے سکتے؛ البتہ جس طرح ہو سمجھا کر یا دباؤ ڈال کر اس سے توبہ کرانا اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرانا ضروری ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۵۳)

روزہ کا مذاق بنانا

مسئلہ کارآمد چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، بہت سے جاہل اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے؛ لیکن بہت سے بددین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک دیتے ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں، مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو، یا ہم کو بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور بہت غور و اہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخر اور مذاق اڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے، اگر کوئی شخص عمر بھر روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے، اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اُس کا منکر نہ ہو تو وہ کافر نہیں، جس فرض کو ادا نہیں کرتا اس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے؛ لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تمسخر (مذاق) کفر ہے، جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز، روزہ نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، بہت زیادہ قابل لحاظ امر ہے؛ اس لیے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے، اور تمسخر وغیرہ نہ کرے۔ (فضائل رمضان: ۳۳ و امداد احکام: ج۱، ص۱۳۳)

مسئلہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا بشرطیکہ نماز کا مذاق (استہزاء) نہ کرتا ہو، حنیفہ کے نزدیک کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے، جس کی سزا یہ ہے کہ (اسلامی حکومت میں) اس کو اتنا مارا جائے کہ بدن سے خون بہنے لگے، پھر قید کر دیا جائے یہاں تک مر جائے یا توبہ کر لے۔

عام مسلمان کو تارک صلوٰۃ کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہ کرنے چاہئیں، اس کے یہاں کھانا وغیرہ بھی نہ کھائیں تاکہ زجر حاصل ہو۔ (امداد الاحکام: ج۱، ص۱۱۳ و ج۱، ص۱۴۳)

(نوٹ: ان سزاؤں کا اختیار عام لوگوں کو نہیں بلکہ اسلامی حکومت ہو تو یہ معاملہ امیر المؤمنین کے سپرد کر دیا جائے یعنی شرعی عدالت میں؛ البتہ نابالغ اولاد کو یا غلام کو باپ

بھی سزا دے سکتے ہیں؛ لیکن نابالغ کو ہاتھ سے سزا دی جائے، مارا جائے لیکن لکڑی وغیرہ سے نہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا

مسئلہ بعض پیر پرست کہتے ہیں: جو کچھ مانگنا ہے بڑے پیر سے مانگو، اور اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں (کفریہ الفاظ) کہ میاں اللہ سے کیا مانگنا، ان کا تو یہ کام ہے کہ اس سے لیا اس کو دیا، اور اُس سے لیا دوسرے کو دے دیا، خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ کی عظمت وقعت دل میں بالکل نہیں، جو منہ میں آیا بک دیا، نہ اس کی پرواہ ہے کہ اس بات سے ہمارا ایمان جاتا رہے گا، اور نہ اس کا خیال کہ یہ الفاظ کفر کے ہیں (یعنی ایسا کہنے سے ایمان جاتا رہے گا کیونکہ یہ الفاظ کفریہ ہیں) (اغلاط العوام: ص ۹۶)

مسئلہ اللہ تعالیٰ کی شان میں محض گستاخی سے بھی ایمان سلب ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینا، بہت ہی سخت گناہ اور نہایت خطرناک وبال میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے اور اس سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۲۵)

نماز کا مذاق اڑانا

سوال کوئی شخص مثلاً کہے، روزہ وہ رکھے جو بھوکا ہو، یا روزہ وہ رکھے جس کے گھر آٹا نہ ہو، نماز میں اٹھک بیٹھک کون کرے؟ یا اسی طرح کا اور کوئی کلمۂ کفر بولے تو کیا اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے؟

جواب دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے، اس سے ایمان ساقط ہو جاتا ہے، ایسے شخص کو اپنے کلمات کفریہ سے توبہ کر کے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہئے، نکاح بھی دوبارہ پڑھوایا جائے گا، اگر بغیر توبہ یا بغیر تجدید نکاح کے اپنی بیوی کے پاس جائے گا تو بدکاری کا گناہ دونوں کے ذمہ ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۵۰)

مسئلہ بیوی نے کہا کہ میں تمہارے قرآن پر پیشاب کرتی ہوں تو تمہاری بیوی ان الفاظ سے مرتد ہو گئی اور نکاح سے نکل گئی، اگر وہ توبہ کرے تو ایمان کی تجدید کے بعد دوبارہ نکاح تمہارے سے ہو سکتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۶۳ و نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۴۸)

مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالِ مبارک کی توہین بھی کفر ہے، فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کے لیے تصغیر کا صیغہ استعمال کیا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔
(آپ کے مسائل: ج۱، ص۵۲ و کفایت المفتی: ج۱، ص۳۱)

ضروریاتِ دین کا مذاق اڑانا

مسئلہ حدیث کے نہ ماننے والوں کا لقب منکرین حدیث ہے، نماز پنجگانہ بھی اسی طرح متواتر ہیں، جس طرح قرآن کریم متواتر ہے، جو شخص پانچ نمازوں کا منکر ہے وہ قرآن کریم کا بھی منکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کا بھی منکر ہے۔

ایسے تمام دینی امور جن کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جن کا دین محمدی میں داخل ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہے ان کو "ضروریاتِ دین" کہا جاتا ہے، ان تمام امور کو بغیر تاویل کے ماننا شرطِ اسلام ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا یا اس میں تاویل کرنا کفر ہے؛ اس لیے جو فرقہ صرف تین نمازوں کا قائل ہے، پانچ نمازوں کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۹)

صحابہؓ کا مذاق اڑانا

مسئلہ جو شخص کسی خاص صحابیؓ کا مذاق اڑاتا ہے وہ بدترین فاسق ہے، اس کو اس سے توبہ کرنی چاہئے، ورنہ اس کے حق میں بُرے خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور جو شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معدودے چند کے سوا گمراہ سمجھتے ہوئے ان کا مذاق اڑاتا ہے، وہ کافر اور زندیق ہے اور یہ کہنا کہ میں فلاں صحابیؓ کی حدیث کو نہیں مانتا، نعوذ باللہ، اس صحابیؓ پر فسق کی تہمت لگاتا ہے، ان کی روایات کو قبول کرنے سے انکار کرنا، نفاق کا شعبہ اور دین سے انحراف کی علامت ہے۔

مسئلہ صحابہؓ کو کافر کہنے والا شخص خود کافر اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔

مسئلہ کوئی ولی، غوث قطب، امام، مجدد، کسی ادنیٰ صحابیؓ کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، نبیوں کی تو بڑی شان ہے (آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۹، ۳۰، و کفایت المفتی: ج۸، ص۴۱)

مسلمان کا غیر مسلم گرو جی کو جھک کر سلام کرنا

سوال پادری کو جو لوگ اپنے گھر بلا کر اس کے پاؤں کے سامنے سر خم کر کے اس کو کچھ رقم دیتے ہیں اسی طرح ایک مسلمان نے بھی اس کو اپنے گھر بلا کر اس کے پاؤں پر جھک کر رقم اس کے قدموں پر رکھی، سر سجدہ کی طرح جھکایا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی کے سامنے (چاہے پیر ہو یا پیغمبر و بادشاہ وغیرہ) سجدہ کرنا، غیر اللہ کے سامنے زمین پر سر ٹیکنا شریعت محمدی میں قطعی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اگر عبادت کی نیت ہو تو موجب کفر ہے اور اگر تعظیم مقصود ہو یا کوئی نیت نہ ہو پھر بھی بہت سے علماء کے نزدیک موجب کفر ہے درمختار مع الشامی: ج ۵، ص ۳۲۷ میں ہے جو لوگ عالم یا بادشاہ وغیرہ کے سامنے زمین چومتے ہیں یہ حرام ہے، چومنے والا اور پسند کرنے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ یہ طریقہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور یہ بات کیا اس کو کافر قرار دیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عبادت اور تعظیم مقصود ہو تو کافر ہو جاتا ہے، اگر بطور سلامی کے ہو تو کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، (درمختار) صورت مسؤلہ میں جین گرو جی کے سامنے عبادت کی غرض سے نہیں بلکہ تعظیم کی غرض سے سجدہ کی طرح سر خم (جھکایا) کیا ہو، پھر بھی اس کے لیے توبہ واستغفار اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۷۸)

رکوع کی طرح جھک کر تعظیم یا شکریہ ادا کرنا

مسئلہ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ ہی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے، اللہ ہی کی ذات اس قابل ہے کہ انسان اس کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکائے، اسی وجہ سے اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح اس صورت کو بھی فقہاء نے مکروہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے رکوع کی مانند جھک کر سلام کرے یا اس کی تعظیم بجالائے، اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا حدیث شریف سے بھی ثابت ہے، اپنے محسن ہونے کے اعتبار سے شکریہ ادا کریں، چاہے جس زبان میں بھی ہو، اگرچہ سب سے بہتر الفاظ یہ ہیں کہ "جزاک اللہ" کہے؛ لیکن جس طرح غیر اللہ کو سجدہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح رکوع کے

بقدر جھکنا بھی ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ۲۹۰ و شامی: ج ۵، ص ۲۴۸ و ترمذی شریف: ج ۲، ص ۱۷، و عالمگیری: ج ۶، ص ۲۴۴)

مسئلہ تعظیم کے لیے ماں کے پیر کو چھونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے، یہ اسلامی تعظیم نہیں ہے؛ بلکہ غیروں کا طریقہ ہے جس سے بچنا چاہئے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۳۵۴)

مسئلہ جھک کر کسی کی قدم بوسی کرنا اور قبر بوسی کرنا نہیں چاہئے؛ کیوں کہ جھک کر سلام کرنا بھی جب درست نہیں ہے تو جھک کر قدم بوسی کرنا جو کہ سجدہ کے مشابہ ہے، کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اور قبر بوسی اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ تقبیل ارض یعنی زمین چومنا ہے، اور اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تشبہ بالسجود ہے، اور نیز اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تعظیم غیر اللہ ہے، و کل منها حرام. (عزیز الفتاویٰ: ج ۴، ص ۱۴)

مسئلہ اگر از راہِ عبادت و تعظیم علماء و عظماء کے سامنے سر جھکایا ہے اور زمین بوسی کی ہے تو کافر ہو جاتا ہے اور بطریق سلام اور تحیہ ایسا کیا ہے تو کافر نہیں ہوتا؛ البتہ گناہ گار اور مرتکب کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۶)

کلمۂ کفر کہنے والے کے ذبیحہ کا حکم

مسئلہ مسلمان کی زبان سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکلے جس سے کفر لازم آتا ہو، اور اس کے اندر تاویل کر کے کفر سے بچایا جا سکتا ہو تو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور ایسے شخص کا ذبیحہ ناجائز نہیں ہوتا؛ البتہ ایسا کلمہ کہنے سے اس کو پوری قوت کے ساتھ روکا جائے گا۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ، ص ۳۵۴)

بزرگوں کے پیروں کو بوسہ دینا

مسئلہ احتیاط اس میں ہے کہ بزرگوں کے پیروں کو بوسہ نہ دیا جائے؛ کیونکہ یہ بوسہ دینا (چومنا) و تعظیم، سجدہ کرنا اور زمین اور مشائخ اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا بالاتفاق حرام اور کبیرہ گناہ ہے؛ بلکہ بعض فقہاء نے اس میں کفر کا حکم بھی دیا ہے۔

(عزیز الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۵)

مسئلہ سجدۂ تعظیم مرشد حرام ہے۔ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۱۴)

مسئلہ سجدۂ تعظیمی کو مطلقاً سب علماء کفر فرماتے ہیں، یہ سجدہ خاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اور اپنے پیر کی تصویر کو سجدہ کرنا (لعنت ہے) اور وہ لوگ جو تصاویر کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں ملعون و مردود ہیں اور ان کے کفر اور مرتکب افعال شرک و کفر ہونے میں کچھ تردد معلوم نہیں ہوتا۔ (عزیز الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۷)

قبر بوسی کرنا

مسئلہ جھک کر کسی کی قدم بوسی (پیروں کو چومنا) اور قبر بوسی کرنا نہیں چاہئے، جب کہ جھک کر سلام کرنا درست نہیں ہے تو جھک کر قدم بوسی کرنا جو مشابہ بالسجود ہے، کیسے درست ہوسکتا ہے، اور قبر بوسی اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تشبہ بالسجود ہے اور اس وجہ سے بھی حرام کہ اس میں تعظیم غیر اللہ ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۴)

مزار سے متعلق عقیدہ کا حکم

سوال اولیاء کرام کے نام سے نیاز، نذر اور منتیں و مرادیں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے مزار پر پھول اور چادر وغیرہ چڑھانا درست ہے یا نہیں؟

جواب اولیاء کرام کے لیے نذر ماننا اور ان کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا حرام ہے، اگر یہ عقیدہ بھی ہو کہ وہ صاحب مزار ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں اور دنیا کی سب چیزیں ان کے تصرفات سے ہوتی ہیں تو شرک ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۲۲ بحوالہ مراقی ص ۳۳۸)

مسئلہ مسجد یا مکان کے طاق میں یہ کہہ کر کہ یہاں شہید بابا ہیں، اس پر چڑھاوے چڑھانا مشرکانہ حرکت ہے، (جس سے) توبہ لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۳۲)

مسئلہ مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے اور اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہو کر ان بزرگوں کو آواز دیتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لیے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں ہے؛ بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے، اس سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار

ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۲۰۶ واحسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۶)

مسئلہ مزار کے درواز پر جا کر سر رکھنا، سجدہ کی ہیئت بنانا اگر بہ قصد تعظیم ہو تو حرام ہے اور اگر بہ قصد عبادت ہو تو شرک ہے، قبر کو بوسہ دینا یا مزار کے در و دیوار کو چومنا بھی حرام ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰،ص۶۱ بحوالہ فقہ اکبر ص۲۳۸)

مسئلہ مصنوعی قبر بنا کر کسی ولی کا مزار قرار دینا، مخلوق کو دھوکہ دینا ہے؛ لہٰذا یہ قطعاً ناجائز ہے، اور چراغ جلانا، منت چڑھانا، مزار کو سجدہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہیں۔ اگر واقعی کسی بزرگ کی قبر ہو تب بھی افعال مذکورہ کا ارتکاب ناجائز ہوگا اور قبر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت سے شرک ہے، اگر تعظیم کی نیت سے ہو تو حرام ہے، مشابہ بالشرک ہے، اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے اور اس کا کھانا مزار کے فقراء کو کھلایا جائے تو وہ کھانا فقراء کے لیے جائز ہے، اور اگر نذر صاحبِ مزار کے لیے کی جائے تو حرام ہے، اس کا کھانا درست نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ج۵،ص۳۲۲)

مسئلہ اکثر حضرات اولیاء اللہ کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کاروبار میں ترقی ہوگی، مال و اولاد میں زیادتی ہوگی، ہمارا رزق بڑھے گا اور اولاد کی عمر بڑھے گی، اس طرح کا عقیدہ شرک ہے، تمام قرآنِ کریم اس عقیدہ کے ابطال سے بھرا ہوا ہے۔

مسئلہ بعض لوگ قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، چونکہ مقصود اس سے تقرب و رضامندی اولیاء اللہ کی ہوتی ہے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں یہ اعتقاد شرک ہے اور چڑھاوا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ اسی طرح عرس کے زمانہ میں؛ بلکہ غیر عرس میں بھی اولیاء اللہ کے مزارات پر چادر چڑھاتے ہیں جو مکروہ و اسراف ہے اور عوام کا اس میں جو اعتقاد ہے وہ بالکل شرک ہے، پھر غضب یہ کہ اس کی نذر و منت مانی جاتی ہے، بعض لوگ دور دراز علاقہ سے سفر کر کے اپنے بچوں کا چلہ چھٹی وہاں کرتے ہیں اور یہ نذر پوری کرتے ہیں اور بعض آسیب اتروانے کے لیے آتے ہیں، بعض وہاں پر چراغ روشن کرتے ہیں، قبریں پختہ بناتے ہیں؛ جبکہ قرآنِ کریم میں صاف صاف ان امور سے توبہ کا حکم ہے۔(اغلاط العوام: ص۲۳)

مزار پر جا کر عقیقہ کرنا

سوال ہمارے یہاں پر عورتیں یہ کہتی ہیں کہ اگر ان کے لڑکا پیدا ہوا تو وہ اس کے سر کے بال مخصوص جگہ پر جا کر اتروائیں گی اور قربانی بھی وہاں جا کر کرتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

جواب یہ ایک ہندوانہ رسم ہے جو مسلمانوں میں آگئی ہے اور چونکہ اس میں فسادِ عقیدہ شامل ہے؛ اس لیے اعتقادی بدعت، جو بعض صورتوں میں کذب و شرک تک پہنچ سکتی ہیں، چنانچہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ بچہ فلاں بزرگ نے دیا ہے؛ اس لیے وہ اس بزرگ کے مزار پر نیاز چڑھانے کی منت مانتے ہیں اور منت پوری کرنے کے لیے اس مزار پر جا کر بچے کے بال اتارتے ہیں، وہاں قربانی کرتے ہیں اور دوسری بہت سی خرافات کرتے ہیں، مسلمانوں کو ایسی خرافات سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(آپ کے مسائل: ج۴، ص۲۳۹)

بارش نہ ہونے پر چندہ کا بکرا صدقہ کرنا

مسئلہ ایسے موقع پر چندہ کر کے بکرا خرید کر اس کے گوشت کے صدقہ کو واجب سمجھنا غلط ہے، ایسے وقت جس کے پاس جو کچھ ہو حسب حیثیت محض اللہ کے لیے مستحق کو دے دے، بکرے کے کاٹنے کی رسم غلط ہے (کیونکہ یہ سمجھنا کہ گوشت ہی کا صدقہ ہوتا ہے، غلط ہے) اور صدقات نافلہ غیر مسلم کو بھی دے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳، ص۲۰۴)

مسئلہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ بارش نہ ہونے پر گاؤں سے، خاندان سے پیسے، چاول وغیرہ جمع کر کے پکا کر سب بچوں کو بلا امتیاز غریب و امیر کھلانا اور خود بھی کھانا، صدقہ تو غریبوں کا حق ہے، غریبوں کی حاجتیں مخفی طریقہ پر پوری کی جائیں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۳۶۷)

کیا اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حلول ہے؟

مسئلہ خداوند کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا (غیر مسلموں کی طرح) کہ وہ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے، کفر ہے، اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر یا کسی اور مکان میں

ہے جس طرح کہ بادشاہ تخت وغیرہ میں ہے، یہ بھی کفر ہے، ان دونوں عقیدوں سے توبہ اور اجتناب (بچنا) واجب ہے، خدا تعالیٰ کسی مکان میں محدود نہیں، وہ مکان سے منزہ (پاک) اور بالاتر ہے، شرح عقائد ص ۳۴ میں ہے کہ البتہ عرش پر اس کا خاص تسلط اور استیلاء ہے، اور اس کی کیفیت کو وہی خوب جانتا ہے اور اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے۔" (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۲۲ بحوالہ عالمگیری: ج ۲، ص ۸۸۱ و مدارک: ص ۱۱۷)

جان بچانے کے لیے کفر کا اقرار کرنا

مسئلہ جب کوئی مسلمان کفار و مشرکین میں پھنس جائے اور جان چھڑانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو بجز اس کے کہ وہ جھوٹ کہہ دے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، اور جب امان کی جگہ پہنچ جائے تو اس جھوٹ سے توبہ کرلے، ایسا وقتی طور پر صرف زبان سے کہہ دینے سے وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا؛ البتہ ایسا کہنا جان کے خوف کے وقت ہی بہتر ہے، حضرت عمارؓ بن یاسر کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۹۱ بحوالہ قرآن کریم)

کلماتِ کفر سے نکاح کا حکم

مسئلہ کفریہ کلمہ بولنے سے نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے یعنی جس بات سے یا کام کی وجہ سے ایک آدمی کا ایمان ختم ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۷۹)

مسئلہ تجدید ایمان توبہ واستغفار کے ساتھ تجدید نکاح کا بھی حکم ہے، دو گواہوں کے سامنے مہر جدید سے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے، خطبۂ نکاح اور اعلان فرض نہیں، سنت ہے، تجدید نکاح کے لیے عدت لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۸، ص ۱۱۰)

تجدید ایمان کا طریقہ

مسئلہ کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرنا ہوگا اور دل سے اس کی تصدیق کرے اور جس چیز کے انکار کی بنا پر ایمان سے خارج ہو گیا تھا اس کا اقرار کرے، اگر اسلام سے خارج ہو کر عیسائیت کو اختیار کرلیا تھا تو اس سے بیزاری اور برأت کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ:

ج۱۲، ص۱۱۶)

مسئلہ ارتداد بہت بڑا گناہ اور جرم عظیم ہے؛ مگر جب مرتد نے صدق دل سے توبہ کر لی ہے تو اسلام میں داخل ہو گیا، مسلمان (اُسے) اپنے میں شامل کر لیں۔

(کفایت المفتی: ج۱، ص۴۶)

منکرین حدیث کیا مسلمان ہیں؟

مسئلہ مدعیانِ اہل قرآن جو احادیث کا انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں، اور نماز کی تضحیک کرتے ہیں اور پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا اور ان سے شادی بیاہ وغیرہ، کسی قسم کے تعلقات رکھنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱، ص۲)

مسئلہ جو شخص خدا کے وجود کا انکار کرنے لگے تو ایسا شخص بدعقیدہ، ملحد اور بددین ہے، اس پر توبہ، تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱، ص۱۳)

کیا استاد کی توہین کفر ہے؟

مسئلہ والدین یا استاد کی بلا وجہ شرعی توہین کرنا گناہ ہے؛ مگر کفر نہیں، نہ اس سے ایمان جاتا ہے اور نہ نکاح ٹوٹتا ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص حرام لعینہٖ (یعنی جس کی حرمت قطعی ہو) کو حلال اعتقاد کرے تو یہ کفر ہے، اس سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰، ص۶۱)

مسئلہ یہ کلمہ بولنا کہ "اللہ تعالیٰ بہت بے انصاف ہے، کسی کو اولاد دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا" یہ کلمہ کفر ہے، نعوذ باللہ منہ استغفر اللہ! کہنے والے کے ذمہ ضروری ہے کہ توبہ و استغفار کرے، تجدید ایمان کرے اور نکاح بھی دوبارہ پڑھوائے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۶، ص۷۹)

گناہوں پر فخر کرنا

سوال ایک شخص جو اعلانیہ گناہوں میں مبتلا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے

اپنے گناہوں پر فخر ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب احکام شریعت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا بلاشبہ کفر ہے؛ لہٰذا ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے، حاکم وقت پر فرض ہے کہ اسے توبہ اور تجدید ایمان کی تلقین کرے، اگر خدانخواستہ توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے۔ جب مزاحاً کلمۂ کفر کہنے والے اور اعلانیہ گناہ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے، تو گناہوں پر فخر کرنے والے کے کفر میں کیا شبہ؟ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۴۰)

بتوں کو سجدہ کرنا

سوال زید کی بیوی نے مندر میں جا کر بت کے آگے اپنے ہاتھ جوڑے اور سجدہ بھی کیا بت کو، اور اس سے منت و مراد بھی طلب کی تو کیا یہ مسلمہ ہے؟

جواب یہ عورت بت کو سجدہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوگی۔ (امداد المفتیین: ج۸، ص۳)

مسئلہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے، اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو بلکہ قصد تعظیم معروف ہو تو ارتداد اور کفر تو نہیں، سخت تر گناہ اور شرک کے قریب ہے۔ (امداد المفتیین: ج۸، ص۱۷)

غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا

مسئلہ غیر مسلم سے ایک تو علاج کرانے کی یہ صورت ہے کہ وہ فن معالجہ کا ماہر ہے جیسے ڈاکٹر و حکیم وغیرہ کہ اس میں محض مہارت فن سے فائدہ حاصل کرنا ہے، جیسے کہ کسی وکیل غیر مسلم سے مقدمہ کی پیروی کرائی جائے تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، دوسری صورت معالجہ کی یہ ہے کہ اس کو مقبول بارگاہِ الٰہی تصور کیا جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بابرکت و مقبول ہیں، جب وہ دم کرے گا تو اللہ تعالیٰ مرض کو ختم فرما دیں گے، اس صورت میں غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا گویا کہ اس کو مقبولِ بارگاہِ الٰہی قرار دینا ہے، حالانکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کا مستحق نہیں ہے، اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۴، ص۶۳)

مشرکانہ منتر سے علاج کرانا

سوال ایک شخص جس منتر سے جھاڑتا ہے اس میں غیر اللہ سے اعانت لی جاتی ہے، خدا کا بالکل ذکر نہیں کرتا، تو جھاڑ پھونک کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب ایسے شخص سے بذریعۂ جھاڑ پھونک علاج کرانا جائز نہیں، اس میں دیوی دیوتا کو شافی اور متصرف مانا گیا ہے، اور اس جھاڑنے والے کو اس دیوی دیوتا کا مقرب تسلیم کیا گیا ہے، ایسا عقیدہ بھی اسلام کے خلاف اور کفر ہے اور ایسے شخص سے جھاڑ پھونک کرانے میں اس کے عقیدہ کی تصدیق اور اس کا اعزاز ہے، شافی مطلق، حاجت روا متصرف صرف اللہ پاک ہے، اس سے بغاوت کر کے زندگی بھی وبال اور موت بھی عذاب۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۰، ص ۱۱۵)

مسئلہ کفریہ الفاظ سے جھاڑ پھونک کرنا یا کرانا کسی طرح جائز نہیں اور ان الفاظ (کفریہ) کو حق اور صحیح سمجھنا تو کفر ہے اور اس سے بیوی نکاح سے نکل جائے گی اور ایمان ختم ہو جائے گا (جھاڑنے والا کفریہ الفاظ) خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی کیوں نہ شروع کرے، اور اس سے لوگ شفایاب بھی کیوں نہ ہوتے ہوں، ایسے شخص کو جو جان بوجھ کر اس طرح (کفریہ) جھاڑ پھونک کرتا ہے، اس کو توبہ کے بعد تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۵۱)

درود تاج پڑھنا کیسا ہے؟

سوال درود تاج پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس درود میں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم کے الفاظ ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام چیزوں کے دور کرنے والے فرمایا۔

جواب درود تاج کے الفاظ قرآن پاک اور حدیث شریف کے نہیں ہیں، اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وسلف صالحینؒ وغیرہ سے درود تاج پڑھنا ثابت نہیں ہے، یہ درود تاج سینکڑوں سال بعد کی ایجاد ہے، جس درود شریف کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کرامؓ کو سکھلائے ہیں (جیسے درودِ ابراہیم وغیرہ) کوئی دوسرا درود جس کے الفاظ

ایجاد کردہ ہوں، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے صادر شدہ الفاظ اور کسی امتی کے ایجاد کردہ الفاظ کی برکت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

خلاصہ یہ کہ حتی الامکان وہی درود شریف پڑھا جائے جو حدیث شریف سے ثابت ہو، اور جس درود کے الفاظ حدیث سے ثابت نہ ہوں، اس کو مسنون نہ سمجھے، مذکورہ کلمات پڑھنے کی محققین علماءؒ اجازت نہیں دیتے؛ کیونکہ مشکلات کا حل کرنے والا خداوند قدوس ہی ہے، مخلوق میں کسی کو بھی حقیقتاً دافع البلاء وغیرہ ماننا، اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۹۸ بحوالہ ترمذی شریف: ج ۲، ص ۱۷۵ و فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۶۲)

مسئلہ درود تاج کے فضائل جو جہلاء میں مشہور ہیں وہ بے اصل و بے بنیاد ہیں، حدیث شریف سے ثابت نہیں ہیں، فضائل و مقدار ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کیے بغیر جاننا محال ہے، یہ درود سینکڑوں سال بعد کی ایجاد ہے تو اس کے پڑھنے کی فضیلت اور مقدار ثواب کس نے اور کب بتائی؟

حدیث شریف سے جس درود کے الفاظ ثابت ہیں انہیں چھوڑ کر غیر مسنون الفاظ پر بڑے بڑے ثواب کے وعدوں کا عقیدہ رکھ کر اس کا وظیفہ ضروری اور لازم کر لینا بدعت ہے، نیز اس میں دافع البلاء وغیرہ الفاظ کی نسبت کا فرق عوام نہیں جانتے؛ لہٰذا اس کو پڑھنے کا حکم دینا ان کو شرک میں مبتلا کرنے کے برابر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۰۱ بحوالہ مجمع البحار: ج ۲، ص ۲۲۴ و فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۲۲)

خلاصہ: درود تاج کے بارے میں یہ بات نوٹ فرمالیں: یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، نہ ہی اس کا پڑھنا صحابہ کرامؓ کے معمولات میں شامل رہا ہے، یہ درود بعد کے کاریگروں نے ایجاد کیا ہے، اس میں جو الفاظ موجود ہیں، ان سے شرک کی بو آتی ہے؛ لہٰذا اس سے احتراز کرنے میں ہی خیر ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا اہتمام نہایت مبارک اہتمام ہے؛ لیکن اس اہتمام کو نبھاتے وقت ان ہی درود کو زبان پر رکھنا چاہئے جو احادیث صحیحہ و سنن سے ثابت ہیں۔ دوسرے لوگوں کے تصنیف کردہ درود خواہ بظاہر اپنے اندر کتنی ہی کشش کیوں نہ رکھتے ہوں؛ لیکن ان کے پڑھنے میں وہ سعادت اور برکت حاصل نہیں ہو سکتی ہے جس کی تعلیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا عمل رہا ہو۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''سیدنا'' کا لفظ بولنا بدعت نہیں ہے، یہی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳،ص۳۰۹)

وسیلہ سے دعاء کرنا

سوال توسل بالانبیاء والاولیاء جائز ہے یا نہیں؟

جواب توسل خواہ زندوں سے ہو یا مُردوں سے، ذوات سے ہو یا اعمال سے، اپنے عمل سے ہو یا غیر کے عمل سے، بہر حال اس کی حقیقت اور ان سب صورتوں کا مرجع توسل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور کہ فلاں مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اس کے توسل سے دعاء کرتا ہوں، یا فلاں نیک عمل اپنا یا غیر کا جو محض آپ کی عطا اور رحمت ہے اس سے توسل کرتا ہوں، چونکہ توسل بالرحمۃ کے جواز بلکہ ارجی للقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ سب صورتیں، مذکورہ توسل کو شامل ہیں؛ لہٰذا توسل کی مذکورہ صورتیں جائز ہیں، اور اس کی حقیقت بھی یہ ہے کہ یا اللہ! آپ کی جس رحمت نے ہمیں فلاں فلاں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی ہے، ہم اس رحمت کے توسل سے دعاء کرتے ہیں، توسل کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اس کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۳۲ و آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۲)

مسئلہ وسیلہ کی پوری تفصیل تو اختلاف امت اور صراط مستقیم میں ملاحظہ فرمائیں، بزرگوں کو مخاطب کر کے (وہ خواہ زندہ ہوں یا مردہ) ان سے مانگنا تو شرک ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور یہ کہنا کہ یا اللہ! بہ طفیل اپنے نیک اور مقبول بندوں کے میری فلاں مراد پوری کر دیجئے، یہ شرک نہیں ہے۔ (اس لیے کہ اس صورت میں جس شخصیت سے توسل کیا جائے اسے بطور شفیع پیش کرنا مقصود ہوتا ہے)

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۱ و فتاویٰ عبدالحی: ص۳۴۹ و ۳۹۵)

وسیلہ کی قسمیں اور ان کا حکم

مسئلہ توسل لوگ دو طرح سے کرتے ہیں (۱) یہ کہ (کہے) اے فلاں پیر صاحب! آپ اللہ تعالیٰ سے میری مراد پوری کرا دیجئے، یا اپنے پیر یا بزرگوں کو مدد کے لیے بلانا،

ان سے اپنی مرادیں مانگنا یا ان کو خدا کے کاموں میں دخیل سمجھنا، جیسے: "یا بڑے پیر صاحب! المدد" کہنا یا کسی صاحب مزار سے کہنا کہ میرا فلاں کام بنا دیجئے، وغیرہ وغیرہ، یہ توسل ناجائز بلکہ شرک ہے، یہ اگرچہ استمداد ہے مگر عوام اس کو وسیلہ ہی سمجھتے ہیں؛ اس لیے (اس میں) مبتلا ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کی توسل یہ ہے کہ اس طرح وسیلہ بنایا جائے اور توسل کیا جائے کہ اے اللہ! میں آپ کے فلاں بندے کی برکت سے اور وسیلے سے آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں، ان کی مقبولیت کے اور محبت کے طفیل میری دعاء قبول فرما لیجئے، یہ توسل وسیلہ جائز ہے اور اس کے جواز پہ بہت سی دلیلیں ہیں، مثلاً خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین سے توسل فرمایا ہے۔ (نظام الفتاوی: ج۱،ص۷۰ وجمع الفوائد: ص۲۶۴)

نبی یا ولی کے طفیل سے دعا کرنا

مسئلہ ہاں اگر محض خدا ہی سے دعاء مانگی جائے، ولی یا نبی سے نہ مانگی جائے؛ بلکہ ان کو محض وسیلہ قرار دیا جائے مثلاً یوں کہے: یا اللہ! فلاں نبی یا ولی آپ کے مقبول و بزرگ بندے ہیں، ان کے وسیلہ سے ہماری دعاء قبول فرما لیجئے، تو یہ جائز ہے۔

(نظام الفتاوی: ج۱،ص۲۷ بحوالہ شامی: ج۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء مانگنا

سوال ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے دعاء مانگنے میں متفق نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ بھی طلب کرنا ہے صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کریں، بغیر وسیلہ کے کام چل جاتا ہے تو گویا ہم وسیلہ طلب کرنے میں شرک کر رہے ہیں؟

جواب اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے بغیر وسیلہ کے دعاء مانگتا ہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعاء مانگتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں حاجت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل پوری فرما دے، تو یہ بھی جائز ہے، اس کو شرک کہنا غلط ہے، اس طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ج۱۷،ص۲۹۹ وترمذی شریف: ج۱،ص۹۹ ومشکوٰۃ شریف: ص۱۹۶)

علم الاعداد کا سیکھنا

مسئلہ ان علوم کے بارے میں چند باتوں کو سمجھ لینا ضروری ہے:

(۱) مستقبل بینی کے جتنے طریقے ہیں، سوائے انبیاء علیہم السلام کی وحی کے، ان میں سے کوئی بھی قطعی ویقینی نہیں؛ بلکہ وہ اکثر حساب اور تجربہ پر مبنی ہیں، اور تجربہ وحساب کبھی صحیح ہوتا ہے، کبھی غلط؛ اس لیے ان علوم کے ذریعہ کسی چیز کی قطعی پیشین گوئی ممکن نہیں کہ وہ لازماً صحیح نکلے؛ بلکہ وہ صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔

(۲) کسی غیر یقینی چیز کو یقینی اور قطعی سمجھ لینا عقیدہ اور عمل میں فساد کا موجب ہے؛ اس لیے ان علوم کے نتائج پر سو فیصد یقین کر لینا ممنوع ہے کہ اکثر عوام ان کو یقینی سمجھ لیتے ہیں۔

(۳) مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں دو قسم کی ہیں؟ بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی ان کا تدارک کرسکتا ہے اور بعض ایسی ہیں کہ ان کا تدارک ممکن نہیں۔

ان علوم کے ذریعہ اکثر پیشینگوئیاں اسی قسم کی کی جاتی ہیں جن سے سوائے تشویش کے اور کوئی نفع نہیں ہوتا (بعض حضرات اس سے مایوسی کا شکار ہو کر غلط اقدامات کر بیٹھتے ہیں) ان علوم کو علوم غیر محمودہ میں شمار کیا گیا ہے۔

(۴) ان علوم کی خاصیت یہ ہے کہ جن لوگوں کا ان سے اشتغال بڑھ جاتا ہے خواہ تعلیم وتعلم کے اعتبار سے یا استفادہ کے اعتبار سے، ان کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ان علوم میں مشغول نہیں ہونے دیا؛ بلکہ ان کے اشتغال کو ناپسند فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سچے جانشین بھی ان علوم میں اشتغال کو پسند نہیں کرتے تھے، پس ان علوم میں سے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مباح ہوں، وہ ان عوارض کی وجہ سے لائق احتراز ہوں گے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۲۶۷)

علم الاعداد پر یقین کرنا

سوال آپ نے ہاتھ دکھا کر قسمت معلوم کرنے پر جو کچھ لکھا ہے میں اس سے

بالکل مطمئن ہوں؛ مگر علم الاعداد اور علم نجوم میں بڑا فرق ہوتا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص کے نام کو بحساب ''ابجد'' ایک عدد کی صورت میں سامنے لایا جاتا ہے اور پھر جب ''عدد'' سامنے آجاتا ہے تو علم الاعداد کا جاننے والا اس شخص کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کرسکتا ہے، اگر اس علم کو محض علم جاننے تک لیا جائے اور اگر اس میں کچھ غلط باتیں لکھی ہوں تو ان پر یقین نہ کیا جائے تو کیا یہ بھی گناہ ہی ہوگا؟

جواب علم نجوم اور علم الاعداد میں مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، وہاں ستاروں کی گردش اور ان کے اوضاع (اجتماع افتراق) سے قسمت پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہاں بہ حساب جمل اعداد نکال کر ان اعداد سے قسمت پر استدلال کیا جاتا ہے، گویا علم نجوم میں ستاروں کو انسانی قسمت پر اثر انداز سمجھا جاتا ہے اور علم الاعداد میں نام کے اعداد کی تاثیرات کے نظریہ پر ایمان رکھا جاتا ہے، اول تو ان چیزوں کو مؤثر حقیقی سمجھنا ہی کفر ہے، علاوہ ازیں محض اٹکل پچو سے اتفاقی امور کو قطعی ویقینی سمجھنا بھی غلط ہے؛ لہٰذا اس علم پر یقین رکھنا گناہ ہے، اگر فرض کیجیے کہ اس سے اعتقاد کی خرابی کا اندیشہ نہ ہو، نہ اس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے، نہ اس کو یقینی اور قطعی سمجھا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا سیکھنا گناہ نہیں؛ مگر ان شرائط کے باوجود اس کے فعل عبث (بیکار کام) ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، ان چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے دین ودنیا کی ضروری چیزوں پر توجہ نہیں کرسکتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۳۷۱)

مستقبل معلوم کرنے کے لیے ہاتھ دکھلانا

سوال کیا آئندہ کا حال جاننے کے لیے اس فن کے کسی ماہر کو ہاتھ دکھلانا جائز ہے؟ اگر شوقیہ دکھلائے اور ماہر فن کی باتوں پر یقین نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب ناجائز ہے، جس کا عقیدہ پہلے سے خراب ہو اس کو عقیدہ صحیح کرکے توبہ کرنا لازم ہے، اور جس کا عقیدہ پہلے سے خراب نہ ہو، بلکہ تجربہ کے لیے دکھلاتا ہو، اس کے لیے بھی قطعاً اجازت نہیں؛ کیونکہ خود اس کے عقیدہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اور فاسد العقیدہ لوگوں کے لیے فسادِ عقیدہ کی اس سے تائید ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۸، ص۷۷)

نجوم پر اعتقاد کفر ہے

سوال میں نے اپنے لڑکے کا رشتہ ایک عزیز کے یہاں دیا، انہوں نے کچھ دنوں بعد جواب دے دیا کہ میں نے علم الاعداد اور ستاروں کا حساب نکلوایا ہے، میں مجبور ہوں کہ بچوں کے ستارے آپس میں نہیں ملتے، شریعت میں یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

جواب نجوم پر اعتقاد کفر ہے۔

مسئلہ نجومی کو ہاتھ دکھانے کا شوق بڑا غلط ہے، اور ایک بے مقصد کام بھی ہے اور اس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے، جس شخص کو ہاتھ دکھانے کی لت پڑ جائے وہ ہمیشہ پریشان رہے گا اور لوگوں کی انٹ شنٹ باتوں میں الجھا رہے گا۔

مسئلہ اسلام کی رو سے دست شناسی (ہاتھ دکھانا) اور ان چیزوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ ہاتھ دیکھ کر جو لوگ باتیں بتاتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس جانا گناہ ہے اور ان کی باتوں پر یقین کرنا کفر ہے، صحیح مسلم شریف کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص کسی پنڈت، نجومی، یا قیافہ شناس کے پاس گیا اور اس سے کوئی بات دریافت کی، تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی“۔ مسند احمد اور ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کے بارے میں فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ دین سے بری ہیں، ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۳۷۳ بحوالہ مسلم: ج۲، ص۲۳۳ و بہشتی زیور: ج۷، ص۳۹ و بخاری شریف: ج۳، ص۹۷ باب طلاق، و ترمذی: ج۱، ص۳۹۱)

مسئلہ اپنی قسمت کا حال دریافت کرنا یا اخبارات وغیرہ میں جو کیفیات یا حالات درج کیے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں برج والے کے ساتھ یہ ہوگا، وہ ہوگا، پڑھنا یا معلوم کرنا اور اس بات پر یقین رکھنا کہ فلاں تاریخ کو پیدا ہونے والے کا برج فلاں ہے، یہ گناہ ہیں؛ کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک نہ تو کوئی شخص کسی کی قسمت کا صحیح صحیح حال بتا سکتا ہے اور

نہ برجوں اور ستاروں میں کوئی ذاتی تاثیر ہے، ان باتوں پر یقین کرنا گناہ ہے، ایسے لوگ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور توہم پرست بن جاتے ہیں۔

مسئلہ ستاروں کا علم یقینی نہیں اور پھر ستارے بذات خود مؤثر بھی نہیں؛ اس لیے اس پر یقین کرنے کی ممانعت ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۳ وامدادالاحکام: ج۱،ص۱۱۸ ومشکوۃ شریف: ج۲،ص۴۴۲)

مسئلہ فال اور نجوم پر اعتماد واعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے، اعتقاد محض خدا ہی پر رکھنا ضروری ہے، ان چیزوں کی سچائی کا اعتقاد شرک ہے، سچا سمجھنے سے ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، نیز فال نکالنا بھی منع ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۸۲)

جنتری کی پیشینگوئیاں

سوال تاریخوں کی جنتریاں جس میں پیشینگوئیاں لکھی رہتی ہیں، اس کو دیکھنا اور اس پر اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

جواب اس میں بعض چیزیں تو حساب سے متعلق ہیں (شرعی نہیں) جیسے ریلوے ٹائم ٹیبل کو دیکھ کر کوئی بتائے کہ فلاں گاڑی فلاں اسٹیشن پر اتنے بجے پہنچے گی، بعض چیزیں صرف عوام کو مائل کرنے کے لیے ہیں، غرض شرعی طریقہ سے ان پر اعتماد ویقین نہیں کیا جا سکتا، نہ اس مقصد کے لیے دیکھا جاتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵،ص۱۱۳)

زمانہ کو برا کہنا

مسئلہ زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر لوگوں کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی یا کسی آفت ومصیبت میں مبتلا ہوتے تو زمانہ کو برا وبھلا کہتے تھے (جیسا کہ اب بھی جاہلوں کی عادت ہے وہ بات بات پر زمانہ کو برا وبھلا کہتے ہیں) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ زمانہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے، حالات میں الٹ پھیر اور زمانہ کے انقلابات مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ جس بھلائی وبرائی اور مصیبت وراحت کی نسبت زمانہ کی طرف کی جاتی ہے حقیقت میں وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی فاعل حقیقی ہے، پس زمانہ کو برا کہنا دراصل اللہ

تعالیٰ کو برا کہنا ہے۔ (جو کہ کفریہ کلمات ہیں اس سے پرہیز لازم ہے)

اُلو کو منحوس سمجھنا

مسئلہ بعض حضرات اُلو کو منحوس سمجھتے ہیں اس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مکان پر بولتا ہے وہ اجاڑ ہو جاتا ہے؛ اس لیے وہ منحوس ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

نہ اُلو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ اجاڑ ہوتی ہے، یاد رکھو! وہ جو بولتا ہے خدا کی یاد کرتا ہے، کیا خدا کی یاد کرنے سے نحوست آئی؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اُلو ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جہاں تنہائی ہو، اور اس کو کسی کا اندیشہ نہ رہے؛ اس لیے وہ ویرانیوں یعنی اجڑی ہوئی جگہوں میں بیٹھتا ہے، اب یہ دیکھئے کہ وہ اجڑی ہوئی جگہ کس وجہ سے اجاڑ ہوئی؟ اُلو تو اجاڑ ہونے کے بعد آیا ہی ہے؛ اس لیے اس کی وجہ سے تو وہ جگہ اجاڑ ہوئی نہیں، بس وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے اجاڑ ہوئی تو اب اجاڑنے والے ہمارے گناہ ہوئے نہ کہ اُلو۔

اور جب یہ بات ہے تو منحوس ہم گنہگار ہوئے، اُلو کیوں منحوس ہوا؟ بس یہ اعتقاد کرنا کہ بعض چیزوں میں نحوست ہے سراسر غلط ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۳۰)

مسئلہ اگر کسی کے مکان پر اُلو بیٹھ جائے یا کوئی شخص اُلو کو دیکھ لے تو اس پر مصیبتیں اور تباہیاں آنا شروع ہو جاتی ہیں، یہ محض توہم پرستی ہے جو کہ غلط ہے۔

نحوست کا اسلام میں تصور نہیں ہے؛ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اُلو ویرانہ چاہتا ہے جب کوئی قوم یا فرد اپنی بدعملیوں کے سبب اس کا مستحق ہو کہ اس پر تباہی نازل ہو تو الو کا بولنا اس کی علامت ہو سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ الو کا بولنا تباہی و مصیبت کا سبب نہیں ہے؛ بلکہ انسان کی بدعملیاں اس کا سبب ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۵۸)

جانوروں کو منحوس سمجھنا

مسئلہ بعض حضرات گھوڑوں وغیرہ کو منحوس سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، یعنی یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے، سب واہیات ہیں، لوگوں کو اپنے عیوب دوسروں میں نظر آتے ہیں، مصیبت تو آتی ہے اپنے معاصی (گناہ) کی نحوست سے اور منسوب کر

دیتے ہیں بے گناہ جانوروں کی طرف کہ فلاں گھوڑا ایسا منحوس آیا، فلاں بیل وغیرہ منحوس آیا، یا فلاں جانور فلاں وقت بولا اس لیے کام نہ ہوا، یا اس کے بولنے سے وباء، بیماری وغیرہ آئی (یا بلی وغیرہ راستہ کاٹ کر چلی گئی) یہ بھی بدعقیدگی اور بدشگونی ہے۔ (شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے)

مسئلہ بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں، یہ بھی بدعقیدگی اور بدشگونی ہے، شرعی چیز نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۳۱)

مسئلہ مشہور ہے کہ زمین پر نمک گرا دینے سے قیامت کے دن پلکوں سے اُٹھانا پڑے گا، یہ بھی محض بے اصل ہے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ اگر زمین پر کھولتا ہوا گرم پانی ڈال دیا جائے تو قیامت کے دن زمین بدلہ لے گی، یہ بھی بے اصل ہے، اس کی شرعی حیثیت کوئی نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۴۸)

انگلیاں چٹخانے کو منحوس سمجھنا

مسئلہ اسلام نحوست کا قائل نہیں؛ البتہ نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے اور نماز سے باہر بھی انگلیاں چٹخانا پسندیدہ نہیں، فعل عبث ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۳۴)

نقصان ہونے پر کہنا کہ کوئی منحوس صبح ملا ہوگا

مسئلہ جب کسی شخص کو کسی کام میں نقصان ہوتا ہے یا کسی مقصود میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ یہ جملہ کہتا ہے کہ "آج صبح سویرے نہ جانے کس منحوس کی شکل دیکھی تھی" جبکہ انسان صبح سویرے بستر پر آنکھ کھلنے کے بعد سب سے پہلے اپنے گھر کے کسی فرد کی شکل دیکھتا ہے، تو کیا گھر کا کوئی آدمی اس قدر منحوس ہوسکتا ہے کہ صرف اس کی شکل دیکھنے سے سارا دن نحوست میں گزر جائے؟ اسلام میں نحوست کا تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۷۵)

کیا جھلی میں پیدا ہونے والا بچہ خوش نصیب ہے؟

سوال بعض بچوں کی پیدائش ایک خاص جھلی میں ہوتی ہے، بعض کا کہنا ہے کہ اس

جھلی کو سکھا کر رکھ لیا جائے، یہ بہت نیک فال ثابت ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب یہ جھلی عموماً دفن کر دی جاتی ہے، اس کو رکھنے اور ایسے بچے کے خوش نصیب ہونے کا قرآن وحدیث شریف میں کہیں ثبوت نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۴۰)

کسی جگہ کو منحوس سمجھنا

سوال کیا خاص خاص جگہوں میں بھی نحوست کا اعتقاد درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے گاؤں میں چند گھر رہ گئے ہیں جن میں ترقی تو کیا ہوتی؟ کیا تبدیلی جگہ کی رائے درست ہے؟

جواب نحوست کا اعتقاد تو جائز نہیں، ہاں یہ اعتقاد جائز ہے کہ اس جگہ کی آب وہوا اچھی نہیں؛ اس لیے دوسری جگہ جہاں امراض کم ہوں اور سلسلہ ولادت زیادہ ہو، منتقل ہو جانا جائز ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱،ص۱۳۹، ومظاہر حق جدید: ج۵،ص۳۰۱)

نظر لگنے کی حقیقت

سوال بڑے بوڑھوں سے اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کو نظر لگ گئی، اور اس طرح اس کی آمدنی کم ہوگئی یا کاروبار میں نقصان ہوگیا یا ملازمت ختم ہوگئی وغیرہ وغیرہ، براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ نظر لگنے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب صحیح بخاری شریف کتاب الطب، باب العین کی حدیث میں ہے کہ "العین حق" یعنی نظر لگنا برحق ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد۱۰،ص۲۰۴ پر اس کے ذیل میں مسند بزار سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قضاء وقدر کے بعد اکثر لوگ نظر لگنے سے مرتے ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ نظر لگنے سے بعض مرتبہ آدمی بیمار بھی ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ بیماری موت کا پیش خیمہ بھی بن جاتی ہے، دوسرے نقصانات کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ "جو شخص کسی چیز کو دیکھے اور وہ اس کو بہت ہی اچھی لگے تو اگر وہ "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" کہہ دے تو اس کو نظر نہیں لگے گی۔"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج۱،ص۳۷۸)

مسئلہ بچے کی پیدائش پر مائیں اپنے بچوں کو بدنظری سے بچانے کے لیے اس کے گلے یا ہاتھ کی کلائی میں کالے رنگ کی ڈوری باندھ دیتی ہیں، یا بچے کے سینے یا سر پر کاجل سے کالا رنگ کا نشان (تل) لگا دیا جاتا ہے، یہ محض توہم پرستی ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۲۷۲)

مسئلہ اگر (اس ٹیکہ لگانے سے) اعتقاد کی خرابی نہ ہو تو جائز ہے، مقصود یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو بدنما کر دیا جائے (کالا ٹیکہ وغیرہ لگا کر) تا کہ نظر نہ لگے۔

(آپ کے مسائل: ج۸، ص۱۲۵)

مسئلہ نظر لگنا برحق ہے اور اس کا اتارنا جائز ہے بشرطیکہ اتارنے کا طریقہ خلاف شریعت نہ ہو۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۴۵۳)

نظر بد کے لیے مرچیں جلانا

سوال بچہ کو یا کسی جانور وغیرہ کو نظر بد لگ جانے پر عورتیں سات مرچیں یا سات کپڑے کی کتریں بچہ وغیرہ پر سات مرتبہ اشارہ کر کے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیتی ہیں، اس طریقہ سے نظر جھاڑنا کیسا ہے؟

جواب نظر بد اتارنے کے لیے مرچیں وغیرہ پڑھ کر آگ میں جلانا درست ہے؛ جبکہ کوئی خلاف شرع چیز ان پر نہ پڑھی جائے، مثلاً کسی دیوی دیوتا وغیرہ کی دہائی یا کسی جن وشیطان سے مدد (استعانت) وغیرہ مانگنا نہ ہو۔ فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۳۵۰)

نظر بد اور جدید سائنس

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے اپنے گھر میں ایک لڑکی دیکھی، اس کے چہرہ میں سفعہ (یعنی زردی) تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دم کراؤ؛ کیونکہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "العین حق" یعنی بدنظر حق ہے۔ (رہبر زندگی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے شر اور

انسانوں کی نظر لگ جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے، یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو لے لیا اور ان دونوں کے ماسوا کو ترک کر دیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

بدنظری اور اس کی کارفرمائی نفی الامر میں موجود ہے اور حق تعالیٰ نے بعض آنکھوں میں ایسی خاصیت پیدا فرمائی ہے کہ جب وہ نظر بھر کر کسی چیز کی طرف دیکھتے ہیں تو اس چیز کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی چیز قضاوقدر سے سبقت لے جاتی تو نظر ہوتی۔

بعض ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں جن کی صرف ایک نگاہ انسان، جانور، حتیٰ کہ بے جان چیز کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے، اس ضمن میں قرآن کا پڑھنا نفع ہے، کیا جدید سائنس نظر بد کی قائل ہے؟ اور سائنس نے اس ضمن میں کیا انکشافات کیے ہیں؟

پیراسائیکالوجسٹ کی تحقیق

نظر نہ آنے والے علوم یعنی مخفی علوم کی تحقیق کا نام پیراسائیکالوجی ہے، ماہرین کے مطابق دراصل ہر انسان کی آنکھ سے غیر مرئی لہریں نکلتی ہیں، جن میں ایموشنل انرجی کی بجلی بھری ہوئی ہوتی ہے، یہ بجلی جلدی مسامات کے ذریعہ جسم میں جذب ہو کر جسم کی تعمیر یا تنزلی کا باعث بنتی ہے۔

اگر ایموشنل انرجی کی بجلی یا لہریں مثبت ہوں تو اس سے انسان کو نفع پہنچتا ہے اور اگر یہ لہریں منفی ہوں تو مسلسل نقصان ہوتا ہے۔

اب بدنظر شخص کی آنکھ سے نکلنے والی لہریں دراصل منفی ہوتی ہیں اور ان کے اندر اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ جسم کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔

ایک بدنظر شخص نے حسین مکھڑے کو دیکھ کر اپنی غیر مرئی لہریں چھوڑیں تو دوسرے شخص کا چہرہ سیاہ ہو گیا تو اس بدنظر کی لہروں نے اس کے خون میں میلانن کو زیادہ کر دیا جس سے جلد کی رنگت سیاہ ہو گئی۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حق ہے، بدنظری کا رَد قرآن ہے اور اس میں معوذتین منفی لہروں کا رَد ہیں۔ (سنت نبویؐ اور جدید سائنس: ص ۲۶۷)

وباءزدہ آبادی کو چھوڑنا

سوال (۱) جہاں بیماری پھیلی ہوئی ہو، وہاں سے چلے جانا چاہیے یا نہیں؟ (۲) مثلاً کسی شہر گئے اور وہاں پر وباء شروع ہوگئی اور ہم کام سے فارغ ہوگئے، اب گھر لوٹنا ہے تو وہاں سے آسکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہاں وباء دفع ہونے تک ٹھہرنا ضروری ہے؟ (۳) وہاں کا باشندہ کسی کام کے لیے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟ (۴) ہوا پانی بدلنے کے لیے وبائی جگہ چھوڑ کر جنگل کی طرف جاسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب وبائی اور طاعونی جگہ سے اس خیال سے اور ایسے عقیدے سے بھاگنا کہ اس سے ہم بیماری اور موت سے بچ جائیں گے ورنہ بیماری میں پھنس کر مرجائیں گے، ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے، موت اپنے وقت اور خدا کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور وقت اگر آگیا تو ٹل بھی نہیں سکتی۔ (تفسیر مظہری: ج۱، ص۳۴۳)

زمانۂ جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ جو کوئی بیمار کے پاس بیٹھے یا اس کے ساتھ کھائے تو اس سے اس کی بیماری اس کو لگ جاتی ہے؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا عدوی یعنی بلا تقدیر اور بلا حکم خداوندی کے ایک بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی (برص کے مریض) کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھانے کے برتن میں شریک کرلیا، مطلب یہ کہ خدا کے حکم اور تقدیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا؛ مگر عقیدہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے تعلیم دی ہے کہ وبائی جگہوں میں بلاضرورت نہ جائے اور نہ وہاں سے بھاگے؛ کیونکہ اگر وہاں جا کر بیماری میں مبتلا ہوجائے گا تو طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ لوگ سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے یہ ہوا اور بھاگنے والا یہ سمجھے گا کہ بھاگنے سے بچ گیا، ورنہ ضرور مبتلا ہوجاتا۔ بھاگنے والا دوسروں کے لیے بھی زیادہ پریشانی اور کم ہمتی کا باعث بنتا ہے؛ اس لیے ایسی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی کہ ''کسی جگہ وباء پھیلی ہو مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں وباء پھیل جائے تو بھاگنے کے ارادہ سے وہاں سے مت نکلو۔ (بخاری شریف: ج۲، ص۸۵۳ ومسلم شریف: ج۲، ص۲۹)

شریعت نے دور رہنے کی ہدایت محض حفاظت عقیدہ اور سلامتی ایمان کے لیے کی

ہے، نہ اس لیے کہ وہ مرض سے بچے اور وہ بھی ہر ایک کے لیے ہر حال میں حکم وجوبی نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے: فرارًا منه (وباسے بھاگنے کے ارادہ سے نہ نکلو) کے الفاظ ہیں، اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر وباء سے بھاگنے کے علاوہ کوئی دوسری وجہ اور غرض ہو تو وہاں سے جانے میں اور بہ ضرورت وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عقیدہ میں پختہ اور مضبوط ہو، ڈانواڈول نہ ہو۔ (فتح الباری) درمختار مع شامی: ج ۵، ص ۶۶۱ پر ہے کہ جو شخص وبائی شہر سے نکلے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز تقدیر الٰہی سے ہے، خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، تو اس کو نکلنے اور وہاں جانے کی اجازت ہے اور اعتقاد ایسا نہیں ہے تو نکلنے اور جانے کی اجازت نہیں تاکہ اس کا عقیدہ محفوظ رہے"۔

(۲) ہاں! آسکتے ہیں، دفع وباء تک وہاں قیام کرنا لازم نہیں، قیام کے مقصد سے وہاں نہیں گئے تو کام سے فارغ ہو کر واپس آنا فرار شمار نہ ہوگا، تاہم نیت کی درستی ضروری ہے۔

(۳) ہاں تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے شہر کی حد میں جنگل و میدان میں جا سکتے ہیں مگر نیت یہ ہونی چاہئے کہ تبدیلی آب و ہوا بھی ایک علاج ہے۔

غرض یہ کہ وبائی جگہ سے بہ ارادۂ فرار نہ نکلے، خدا پر بھروسہ کرکے صبر و ہمت سے رہے، تقدیر میں ہوگی تو آئے گی اور درجۂ شہادت حاصل ہوگا، جب موت بھاگنے سے نہیں ٹلتی تو بھاگ کر ایمان کیوں خراب کرے؟ ڈاکٹر و حکیم بعض امراض کو متعدی مانتے ہیں، اس کے جراثیم ثابت کرتے ہیں، ہم کو اس کی تردید کی ضرورت نہیں؛ مگر ان کو بھی ماننا چاہئے کہ بیماری از خود متعدی اور مؤثر نہیں ہوتی؛ بلکہ بحکم خدا اور تقدیر سے ہوتی ہے، جس کے لیے حکم خدا نہ ہو تو ذرّہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۷۱ بحوالہ نووی شرح مسلم: ج ۲، ص ۲۲۸ و فتح الباری: ج ، ص ۱۵۹)

مجذوم بیمار سے تعلق رکھنے کا حکم

مسئلہ اس کا جواب سمجھنے کے لیے دو باتوں کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے، ایک یہ کہ بعض لوگ قوی المزاج ہوتے ہیں، ایسے مریضوں کو دیکھ کر یا ان کے ساتھ مل کر ان کے مزاج میں کوئی تغیر نہیں آتا اور بعض کمزور طبیعت کے ہوتے ہیں (اور اکثریت اسی

مزاج کے لوگوں کی ہے) ان کی طبیعت ایسے موذی امراض کے مریضوں کو دیکھنے اور ان سے میل جول رکھنے کی متحمل نہیں ہوتی۔

دوم یہ کہ شریعت کے احکام قوی وضعیف سب کے لیے ہیں؛ بلکہ ان میں کمزوروں کی رعایت زیادہ کی جاتی ہے، چنانچہ امام کو حکم ہے کہ نماز پڑھاتے ہوئے کمزوروں کے حال کی رعایت رکھے۔

یہ دو باتیں معلوم ہو جانے کے بعد اب سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے سالن کے برتن میں داخل کیا اور فرمایا "کھا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوئے۔" (ترمذی شریف: ج۲،ص۴)

امام ترمذیؒ نے اسی نوعیت کا واقعہ حضرت عمرؓ کا بھی نقل کیا ہے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے واضح فرمادیا کہ نہ مجذوم قابل نفرت ہے اور نہ وہ اچھوت ہے؛ لیکن چونکہ ضعفاء کی ہمت وقوت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی؛ اس لیے ان کے ضعفِ طبعی کی رعایت فرماتے ہوئے ان کو اس سے پرہیز کا حکم فرمایا ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۲۲ونظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۱۲ومظاہر حق جدید: ج۵،ص۲۹۶)

پتھروں کا انسانی زندگی پر اثر انداز ہونا

سوال ہم جو انگوٹھی وغیرہ پہنتے ہیں اور اس میں اپنے نام کے ستارے کے حساب سے پتھر لگواتے ہیں مثلاً عقیق، فیروزہ، وغیرہ وغیرہ کیا یہ اسلام کی رو سے جائز ہے؟

جواب پتھر انسان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے، انسان کے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔

مسئلہ پتھروں سے آدمی مبارک نہیں ہوتا، انسان کے اعمال اس کو مبارک یا ملعون بناتے ہیں، پتھروں کو مبارک ونامبارک سمجھنا عقیدے کا فساد ہے، جس سے توبہ کرنی چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۶)

فیروزہ پتھر کی اصلیت

مسئلہ پتھروں کو کامیابی و ناکامی میں کوئی دخل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام فیروز تھا، اس کے نام کو عام کرنے کے لیے سبائیوں نے ''فیروزہ'' کو متبرک پتھر کی حیثیت سے پیش کیا۔

پتھروں کے بارے میں نحس و سعد (یعنی اثر انداز اور غیر مؤثر) سبائی افکار کا شاخسانہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۷۷)

پتھروں کے اثرات کا عقیدہ رکھنا

سوال اکثر لوگ مختلف ناموں کے پتھروں کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں یا گلے میں ڈالتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ فلاں پتھر میری زندگی پر اچھے اور برے اثرات ڈالتا ہے، اور ساتھ ساتھ ان پتھروں کے اپنے حالات کو اچھے اور برے کرنے پر یقین رکھتے ہیں، شرعی لحاظ سے ان پتھروں پر یقین رکھنا اور سونے میں ڈالنا کیسا ہے؟

جواب پتھر انسان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے، انسان کے نیک یا بد عمل اس کی زندگی کے بننے اور بگڑنے کے ذمہ دار ہیں۔

پتھروں کو اثر انداز سمجھنا مشرک قوموں کا عقیدہ ہے، مسلمانوں کا نہیں اور سونے کی انگوٹھی مردوں کو حرام ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۷۸)

انگوٹی کا پتھر اور جدید سائنس

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔ (ترمذی، شمائل ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا نگینہ چاندی ہی کا تھا، عقیق کے نگینے والی بھی پہنی، کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں؛ لیکن زیادہ دائیں ہاتھ میں پہنتے اور نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے۔ (تنویر الازہار، رہبر زندگی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیق کا نگینہ استعمال کیا جیسا کہ احادیث سے واضح

ہے؛ لیکن آپؐ نے عقیق کا نگینہ اس لیے استعمال نہیں کیا کہ اس سے تمام مشکلات آسان ہوں گی؛ بلکہ علماء حدیث کے مطابق آپؐ نے زینت کے لیے یہ نگینہ استعمال فرمایا۔
(سنت نبویؐ اور جدید سائنس: ص ۳۶۷)

انگوٹھی کا پہننا

مسئلہ بعض لوگ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں انگوٹھیاں پہنتے ہیں اور انگوٹھیوں میں پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لگے ہوتے ہیں، جن کو اکثر لوگ تو بے سمجھے بوجھے شوقیہ پہنتے ہیں اور بعض لوگ اس نیت سے پہنتے ہیں اور گلے میں بھی لٹکاتے ہیں کہ یہ کارآمد ہیں ان سے نفع ہوتا ہے اور نقصان سے انسان بچ جاتا ہے۔

یاد رکھئے! مستقل تاثیر کا اعتقاد کر کے جو لوگ پہنتے ہوں یہ تو حرام ہے؛ بلکہ ایک طرح کا شرک ہے، اور اگر یہ اعتقاد نہیں ہے تو اس کی اجازت ہے؛ مگر ایک ہی انگوٹھی ہو اور چاندی کی ہو اور اس میں ایک ہی نگینہ ہو (اور پہننے کے وقت نگینہ مرد نیچے کی طرف یعنی ہتھیلی کی طرف اور عورتیں اوپر کی طرف رکھیں)

مسئلہ بعض پیروں کے انگوٹھوں میں یا انگلیوں میں تانبے، پیتل کا تار باندھتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، (اگر کوئی طبیب حاذق بطور علاج رگ، نس وغیرہ دبانے کے لیے بتائے تو الگ بات ہے) (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ اسی طرح کچھ لوگ لوہے کی یا تانبے کی انگوٹھی بھی پہنتے ہیں اور اس سے نفع تندرستی کی امید رکھتے ہیں، یہ ناجائز ہے، اور اس عقیدہ سے پہننا کہ اس سے ہی ہمارا کام ہوگا، کفر ہے، اگر کوئی بیماری ہے تو علاج کرانا جائز ہے؛ اس لیے تانبہ، پیتل اور لوہا پہننا بذات خود منع ہے۔

مسئلہ بعض مرد یا عورتیں ہاتھ یا پیر میں لوہے یا پیتل یا تانبے کا کڑا پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ غریب نواز کی درگاہ سے آیا ہے اور اس کو بابرکت سمجھ کر پہنتے ہیں، یہ بھی جہالت ہے۔

مسئلہ بادشاہ، قاضی اور وقف مال کے متولی کے علاوہ دوسروں کو انگوٹھی کا ترک (نہ پہننا ہی) افضل ہے۔

مسئلہ انگوٹھی کے مسئلے سے عموماً لوگ واقف نہیں ہیں، رواجی طور پر پہنتے ہیں اور اگر کسی نے اتفاقیہ پوچھ لیا کہ انگوٹھی کا پہننا کیسا ہے؟ تو یہ انگوٹھی پہننے والے جواب میں کہتے ہیں کہ سنت ہے، حالانکہ انگوٹھی کا پہننا سنت نہیں ہے، اگر انگوٹھی کا پہننا سنت ہوتا تو تمام صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں انگوٹھی ہوتی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی صرف مہر لگانے کے لیے پہنی تھی) جن تین آدمیوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں ان کے علاوہ اگر دوسرے لوگ بھی انگوٹھی پہنیں تو جائز ہے منع نہیں ہے؛ لیکن انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے اور انگوٹھی صرف ایک ہونی چاہئے دو نہیں۔

انگوٹھی کا نہ پہننا افضل اس لیے بتایا گیا ہے کہ اگر غسل کرنے کے وقت انگوٹھی کے نیچے ایک بال کے برابر خشک رہ گیا تو غسل اور وضو صحیح نہ ہوگا اور جب غسل و وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہ ہوگی؛ اس لیے انگوٹھی کا ترک افضل ہے۔

مسئلہ بعض مرد اپنے کان یا ناک میں سونے، چاندی و پیتل وغیرہ کی بالیاں اولیاء اللہ کے نام کی پہنتے ہیں، یہ بھی حرام اور شرک ہے، یاد رکھو! جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ نفع و نقصان کے مالک نہیں تو پھر پتھر کے ٹکڑے لوہے، تانبے، پیتل کی کیا حقیقت ہے؟ یاد رکھو! جب اللہ کے ولی کفر و شرک کے شائبہ سے بالکل پاک و صاف تھے اور اس کی تعلیم ساری مخلوق کو دیتے رہے، تو کیا یہ بزرگ ایسی حرکتیں پسند کریں گے؟ ہرگز نہیں، یہ صرف جہالت کی وجہ سے ہے، سوچتے نہیں کہ کل قیامت کے دن اس کا انجام کیا ہوگا؟

(شریعت یا جہالت: ص ۵۰۰ بحوالہ مسلم: ج ۲، ص ۱۱۶ و مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۲۶۶، شمائل: ص ۸۲، فتاویٰ عالمگیری: ج ۴، ص ۲۹۵، عین الہدایہ: ج ۴، ص ۲۳۳)

کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

مسئلہ علم الٰہی میں ہر چیز کے لیے ایک نقشہ ہے کہ اس کا اس طرح ظہور ہوگا، اس کو تقدیر کہتے ہیں، اس نقشہ میں تبدیلی نہیں ہوتی؛ مگر کوئی چیز مطلق ہوتی ہے جس کا اظہار پہلے سے کارکنانِ قضاء و قدر پر بھی بسا اوقات نہیں ہوتا، اور قلوب قدسیہ پر بھی انکشاف نہیں ہوتا ہے اور وہ عدم ظہور تعلیق کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کو لوگ مبدل سمجھ جاتے ہیں، تعلیق کبھی دعاء کی ہوتی ہے کبھی کسی اور چیز کی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۱۲۶)

عقائد کی خرابیاں

مسئلہ مشہور ہے کہ جو شخص نیا مسلمان ہو اس کو دست آور دوا دینا چاہئے ورنہ وہ پاک نہیں ہوتا، یہ بات بے اصل ہے۔

مسئلہ مشہور ہے کہ گالی دینے سے چالیس روز تک ایمان سے دور ہو جاتا ہے، اگر اس مدت میں مر جائے تو بے ایمان مرتا ہے، یہ محض غلط ہے، ہاں گالی دینے کا گناہ الگ چیز ہے۔

مسئلہ مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ بعض جاہلوں کا دستور ہے کہ جس دن گھر سے بونے کے لیے اناج لے جاتے ہیں، اس دن دانے نہیں بھناتے، ایسا عقیدہ بالکل گناہ ہے، اس خیال کو ختم کر دینا چاہئے۔

مسئلہ بعض حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ دن میں کہانیاں مت کہو (سناؤ) نہیں تو مسافر راستہ بھول جائیں گے، یہ سب باتیں واہیات اور بے اصل ہیں، ایسا اعتقاد رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ بعض عورتیں چیچک کی بیماری کو کوئی آسیب بھوت کا اثر سمجھتی ہیں اور اس وجہ سے اس گھر میں بہت سے بکھیڑے کرتی ہیں، یہ سب واہیات خیال ہیں، ان سے توبہ کرنی چاہئے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۹)

مسئلہ اکثر عوام خصوصاً عورتیں مرض چیچک اور کنٹھی میں علاج کرانے کو برا سمجھتے ہیں اور بعض اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سے سمجھتے ہیں، یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ بعض عورتیں مرض چیچک میں گھر میں سالن بنانا، بھگارنا برا سمجھتی ہیں اور مرض کے بڑھ جانے میں مؤثر سمجھتی ہیں، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، ہاں کسی طبیب (حکیم و ڈاکٹر) کی رائے سے احتیاط کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۲۷)

مسئلہ بعض عورتیں ایسی عورت کے پاس کہ جس کے بچے اکثر مر جاتے ہیں خود

جانے اوراس کے پاس بیٹھنے سے رُکتی ہیں اوراپنے بچوں کوبھی ایسی جگہ سے روکتی ہیں اور یوں کہتی ہیں کہ''مرت بیائی لگ جائے گی'' یہ بہت بری بات ہے (شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے) ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ (اغلاط العوام:ص ۲۶)

جان کے بدلہ بکرا ذبح کرنا

سوال جانوراس نیت سے ذبح کیا جائے کہ جان کے بدلہ جان ہو جائے، جانور کی جان چلی جائے اور انسان کی جان بچ جائے، اللہ تعالیٰ جانور کی جان قبول فرما کر بندے کی جان نہ لیں، کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب (۱) زندہ جانور کا صدقہ کر دینا زیادہ بہتر ہے، شفائے مریض کی غرض سے ذبح کرنا اگر محض لوجہ اللہ ہوتو مباح ہے؛ لیکن اصل مقصد بالا راقتہ صدقہ ہونا چاہئے نہ کہ فدیۂ جان بہ جان۔

(۲) یہ خیال تو بے اصل ہے، اباحت صرف اس خیال سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جان کی قربانی دی جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جیسے صدقہ مالیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کومتوجہ کرتا ہے، اسی طرح یہ قربانی جالب رحمت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مریض کوشفاء عطا فرمائے (تو درست ہے) (کفایت المفتی: ج۵،ص ۸۵۵)

مسئلہ بعض لوگ صدقہ میں جان کا بدلہ جان ضروری سمجھتے ہیں اور بکرے وغیرہ کو تمام رات مریض کے پاس رکھ (باندھ) کر اور بعض لوگ مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں یا مریض کے پاس بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے بعد خیرات کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کا بکرے پر ہاتھ لگانے سے تمام بلائیں گویا اس کی طرف منتقل ہوگئیں، پھر خیرات کرنے سے وہ بھی چلی جاتی ہیں اور جان کے بدلے جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی، یاد رکھئے! ایسا اعتقاد خلاف شرع ہے۔

مسئلہ یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہیں، حالانکہ جان کا بدلہ جان یعنی فدیہ ذبح کرنا بجز عقیقہ کے کہیں ثابت نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح نہیں کرتے؛ بلکہ مقصد صدقہ کرنا ہے جس کو رد بلاء یعنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے حدیث شریف میں بتایا گیا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہی خیال ہے تو صرف

بکرے کی قیمت صدقہ کردینے کو دل کیوں گوارہ نہیں کرتا؟

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں ضرور چور ہے اور ذبح ہی کو دفع بیماری میں زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے اور یہی فاسد عقیدہ دل میں جمع ہوا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے گا، بعض لوگ وباء یا ویسی بیماری میں بہ اعتقاد بھینٹ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ شرک ہے، یا بعض حضرات باعتقاد فدیہ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ محض کذب و باطل ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۳)

مسئلہ بیماری سے شفاء کے لیے اللہ سے منت ماننا جائز ہے؛ مگر اس سے بہتر یہ ہے کہ بغیر منت کے صدقہ وخیرات کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے صحت کی دعاء کی جائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۱)

بیماری سے شفا کے لیے بکرا ذبح کرنا

سوال زید سخت بیمار ہے، اگر اس کی طرف سے بکرا ذبح کر کے گوشت فقیروں کو تقسیم کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے اس پر رحم کرے یا آسانی سے روح نکل جائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب آفات اور بیماری سے حفاظت کے لیے صدقہ وخیرات کی ترغیب آئی ہے؛ مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہو گیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے، جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اس میں چونکہ اس عقیدے کی خرابی اور بدعت کی تائید ہے؛ لہٰذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ وخیرات کر دے (صدقہ میں اخفاء یعنی پوشیدگی مطلوب ہے، بکرے کے ذبح میں یہ نہیں ہوگا اور نقد صدقہ میں فقیروں محتاجوں کا زیادہ فائدہ ہے اور بکرے کی قیمت ہی سے ضرورت مندوں کی کافی حاجت روائی ہو سکتی ہے) (محمد رفعت قاسمی)

شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے اچھے دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے؛ اس لیے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر توجہ دیں اور جن مدارس دینیہ میں اس قسم کے بکرے دیئے جاتے ہیں، ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کی چشم پوشی اور ایسے بکروں کو قبول کر لینے سے اس گمراہی کی تائید ہوتی

ہے۔(احسان الفتاویٰ: ج ۱،ص ۳۶۷)

چیلوں کو گوشت ڈالنا

مسئلہ کسی بیمار کی طرف سے بکرا صدقہ کرنا اور اس کا گوشت چیلوں کو پھینکنا کہ جلدی آسانی سے روح نکل جائے یا صدقہ کی برکت سے خدا شفاء عنایت فرمائے، یہ جاہلوں کی خرافات میں سے ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اس قسم کے ٹونے ٹوٹکے ہندوؤں (غیر مسلموں) سے لیے گئے ہیں، اس کا بہت سخت گناہ ہے؛ البتہ مطلق صدقہ سے آفت ٹلتی ہے اور صدقہ بصورتِ نقد زیادہ افضل ہے یعنی کچھ رقم کسی مسکین کو دے دی جائے یا کسی کار خیر میں لگا دی جائے۔(احسن الفتویٰ: ج ۱،ص ۳۶۶)

مسئلہ بعض لوگ صدقہ میں گوشت وغیرہ چیلوں کو دینا ضروری خیال کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے، شریعت نے صدقہ کا مصرف مقرر کر دیا ہے، چنانچہ مسلمان مساکین اس کا بہترین مصرف ہیں، چیلیں اس کا مصرف نہیں ہیں۔

(اغلاط العوام: ص ۲۳ بحوالہ اصلاح انقلاب)

مسئلہ جاہلوں میں ایک رواج یہ ہے کہ کسی بیماری کا اتار سمجھ کر چیل وغیرہ کو گوشت کھلاتے ہیں، چونکہ اکثر یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ بیماری اس گوشت میں لپٹ کر چلی جائے گی اور اسی لیے اس گوشت کو آدمی کے کھانے کے قابل نہیں سمجھتے ہیں، ایسے اعتقاد کی شرع میں کوئی سند نہیں ہے؛ اس لیے یہ بھی بالکل خلاف شرع ہے۔(بہشتی زیور: ج ۶،ص ۵۲)

مسئلہ چیلوں کو گوشت ڈالنا اور اس کو جان کا صدقہ سمجھنا بھی فضول بات ہے، ہاں اگر کوئی جانور بھوکا ہو تو اس کو کھلانا پلانا بلاشبہ موجب اجر ہے؛ لیکن ضرورتمند انسان کو نظر انداز کر کے چیلوں کو گوشت ڈالنا لغو حرکت ہے۔(آپ کے مسائل: ج ۳،ص ۴۳۰)

بیمار کے لیے بکرا آزاد کرنا

مسئلہ ایک رواج یہ بھی ہے کہ بیمار آدمی کے لیے جانور بازار سے لے کر اس کو (جنگل وغیرہ میں آزاد) چھوڑ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک جان کو آزاد کیا ہے، اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ) ہمارے بیمار کی جان کو مصیبت سے آزاد کر

دیں گے، سو یہ اعتقاد کرنا کہ جان کا بدلہ جان ہوتا ہے، شرع میں اس کی بھی کوئی سند نہیں ہے، ایسی بے سند بات کا اعتقاد کرنا خود گناہ ہے۔

مسئلہ ایک رواج اس سے بڑھ کر غضب کا یہ ہے کہ کوئی چیز کھانے پینے کی چوراہے (راستہ میں) رکھوا دیتے ہیں، یہ بالکل کافروں کی رسم ہے (وہ غیر مسلم ہولی و دیوالی کے موقع پر خاص کر راستوں میں ٹوٹکے کے طور پر رکھتے ہیں)

ویسے بھی غیر مسلموں کا طریقہ منع ہے اور جب اس کے ساتھ عقیدہ بھی خراب ہو تو اس میں شرک اور کفر کا بھی ڈر ہے، اس کام کے کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ مریض پر کسی جن بھوت یا پیر کا دباؤ، یا ستاؤ ہو گیا ہے، ان کے نام کی بھینٹ دینے سے وہ خوش ہو جائیں گے اور یہ بیماری یا مصیبت جاتی رہے گی، سو یہ بالکل مخلوق کی پوجا ہے، جس کا شرک ہونا صاف ظاہر ہے اور اس میں جو رزق کی بے ادبی اور راستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس کا گناہ الگ رہا۔

صدقہ و خیرات کا سیدھا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میسر کیا (دیا) ہے خواہ وہ کوئی چیز ہو، چپکے سے کسی محتاج کو یہ سمجھ کر دے دیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے اور اس کی برکت سے بلاء اور مرض کو دفع کر دیں گے، اس سے زیادہ سب فضول پاکھنڈ؛ بلکہ گناہ ہیں۔ (بہشتی زیور: ج۶، ص۵۳)

صدقہ کے لیے خاص چیزیں مقرر کرنا

مسئلہ بعض لوگوں نے صدقہ کے لیے خاص خاص چیزیں مقرر کر رکھی ہیں مثلاً ماش کی دال (اڑد کی کالی) سیاہ رنگ کی چیزیں گویا بلاء کو کالی سمجھ کر اس کو دور کرنے کے لیے بھی کالی چیزیں منتخب کی گئی ہیں، یہ سب من گھڑت باتیں ہیں اور خلاف شرع ہیں، شریعت میں مطلق صدقہ دافع بلاء ہے، کوئی خاص چیز یا خاص رنگ بالکل (شریعت میں) طے نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص۲۳)

شیخ احمد نامی کے خواب سے متعلق عقیدہ

سوال گذارش ہے کہ ایک طبع شدہ پرچہ بھیج رہا ہوں، ایسے پرچے بکثرت چھپے

اور لکھے ہوئے تقسیم ہو رہے ہیں، جیسا کہ پرچہ کے آخر میں بانٹنے والے کے لیے مالی منفعت اور جھوٹ سمجھنے والے کے لیے تباہی کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ کارِ خیر ہے تو روپے کے لالچ میں اس کا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

پرچہ طبع شدہ کی نقل

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم کو مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ قیامت آنے والی ہے، توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے، غافل مت رہو، گناہوں سے توبہ کرو، پیر کے دن سے چار روزے رکھو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، جو شخص ایسے تین پرچے بانٹ دے گا، اس کو چودہ دن میں خوشی ہوگی، بمبئی میں ایک شخص نے تین پرچے بانٹ دیئے تھے، اس کو ڈھائی ہزار کا فائدہ ہوا اور ایک شخص نے اس پرچہ کو جھوٹ جانا اس کو اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا پڑا، جو شخص تقسیم نہیں کرے گا غم ضرور دیکھے گا۔ بندۂ خدا ایک یا دو پرچے لکھ کر ضرور تقسیم کرے گا، جو زیادہ چھپوا کر بانٹے گا زیادہ فائدہ ہوگا۔

بھائیو! یہ بات یقین جانو اور پہچانو، خدا ہم سب کو نیک ہدایت اور توفیق عطا فرمائے، آمین"

نوٹ: یہ پرچہ پاس رکھنا گناہ ہے۔

جواب حامداً و مصلیاً توبہ کا دروازہ بند ہونا اور قیامت کا قریب آنا احادیث میں کثرت سے مذکور ہوا ہے اور جو وقت بھی گزرتا ہے یہ دونوں چیزیں قریب سے قریب تر آ رہی ہیں، ان کے لیے کسی کے خواب کی حاجت نہیں، گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم قرآن پاک میں زیادہ مذکور ہے، اور ہر وقت ہر آدمی کو توبہ کرتے ہی رہنا چاہئے، دنیا میں جس قدر مصائب اور فتنے ہیں اور آخرت میں جو سزائیں ہیں، وہ سب گناہوں کی وجہ سے ہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمائے اور آئندہ کو بچائے، نفلی روزہ رکھنے کی بھی فضیلت ثابت ہے، پیر اور جمعرات کا روزہ بھی روایات میں بکثرت آیا ہے، نماز اور زکوٰۃ دونوں

اسلام کے مستحکم ارکان میں سے ہیں۔

غرض ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا ثبوت کسی کے خواب سے ہو، پیر کے دن سے چار روزہ کا اہتمام کسی روایت سے ثابت نہیں، یہ بالکل بے اصل ہے، محض خواب سے اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

دین کی تبلیغ اور اشاعت امت کا اہم فریضہ ہے، اس سے غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے، اب باقی رہا، اس کاغذ کے تین پرچے تقسیم کرنا، اور اس پر چودہ دن میں اس کو خوشی کا ہونا اور جو تقسیم نہ کرے اس کا اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا یا غم دیکھنا اور اس کو اپنے پاس رکھنا گناہ ہونا، یہ سب بے اصل، لغو، ڈھونگ ہے، ایک دو پرچہ لکھ کر تقسیم کرنے کو ضروری قرار دینا بھی جہالت ہے۔

اس سے قبل بھی مدت دراز سے ہر سال اس قسم کا اشتہار چھپتا رہا، اس میں خواب دیکھنے والے خادم کا نام بھی شیخ احمد درج ہوتا تھا اور خرافات درج ہوتی تھیں، مثلاً یہ کہ 'امسال اتنے مسلمان مرے جن میں فقط ایک یا دو جنت میں گئے، باقی سب جہنم میں گئے'' اس وقت اکابر نے تحقیق کی۔ نہ مدینے میں شیخ احمد نامی کوئی خادم تھا، نہ وہاں کسی سے اس خواب کا تذکرہ سنا گیا، درحقیقت یہ کسی دشمن اسلام کی ایک چال تھی، جس کے ذریعہ وہ اسلام سے بدظن کرتا تھا کہ اتنے مسلمانوں میں سے جب فقط ایک یا دو جنت میں گئے باقی سب جہنم میں گئے تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ؟ تذکرۃ الخلیل فتاویٰ دار العلوم، دینی کتب میں ایسا ہی درج ہے۔

ہم نے ہمیشہ اس اشتہار کو چاک کر دیا ہے، خدا کے فضل سے کوئی غم نہیں ہوا اور نہ اپنے سے نہ اپنی اولاد سے ابھی تک ہاتھ دھوئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۵، ص۳۵۰)

استخارہ کی اغلاط

مسئلہ بعض کو خاص استخارہ اس غرض سے بتلاتے دیکھا ہے کہ اس سے کوئی واقعہ ماضیہ یا مستقبلہ معلوم ہو جائے گا، سو استخارہ اس غرض کے لیے شریعت میں منقول نہیں؛ بلکہ وہ تو محض کسی امر (یعنی کام) کے کرنے نہ کرنے کا تردّد رفع کرنے کے لیے ہے، نہ کہ

واقعات معلوم کرنے کے لیے؛ بلکہ ایسے استخارہ کے ثمرہ (نتیجہ) پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے

استخارہ کی حقیقت

مسئلہ عموماً لوگ استخارہ کی حقیقت نہیں جانتے، سو استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعاء ہے، اس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے، یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو اور جو کام میرے لیے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب وہ استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے، پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے، اور اسی کے اندر اپنے لیے خیر کو مقدر سمجھے؛ بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بنا پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے کیوں کہ پہلی صورت میں الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے اور لازم صحیح نہیں؛ لہٰذا ملزم بھی صحیح نہیں، پس اگر یہ سمجھے ہوئے ہے تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کیوں کہ یہ اعتقاد بالکل باطل ہے۔

مسئلہ تنبیہ (۱) یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اس سے واقعہ گذشتہ نہیں معلوم ہوتا اسی طرح واقعہ آئندہ بھی (کہ فلاں بات یوں ہوگی) معلوم نہیں کی جا سکتی ہے، پس استخارہ کا صرف اتنا اثر ہے کہ جس کام میں تردد ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا؟ تو اس عمل مسنون (استخارہ) سے (جس کا حاصل دعاء ہے اس امر کی کہ جو میرے لیے مصلحت ہو میرا قلب اس پر مطمئن ہو جائے اور ویسا ہی سامان غیب سے ہو جائے تو اس سے) دو اثر ہوتے ہیں: (۱) قلب کا اس شق پر مجتمع ہو جانا (۲) اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا (بس اس کے علاوہ اور کوئی اس کا فائدہ و اثر نہیں) بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں

(اصلاح انقلاب اول)

تنبیہ: بعض بزرگانِ دین سے جو بعضے ''استخارے'' اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعتاً صراحتاً یا اشارۃً خواب میں نظر آجائے سو وہ استخارہ نہیں؛ بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہے، پھر یہ اثر بھی اس ''عمل'' کا لازمی نہیں۔ (چنانچہ) خواب کبھی نظر آتا ہے کبھی نہیں، پھر خواب بھی اگر نظر آیا تو محتاجِ تعبیر ہے، اگرچہ صراحت سے نظر آئے۔ پھر تعبیر بھی جو کچھ

ہوگی وہ ظنی ہے یقینی نہیں تو اس میں اتنے شبہات تو بتو (تہ بہ تہ) ہیں۔
پس اس کو استخارہ کہنا یا تو مجاز ہے اگر ان بزرگوں سے یہ تسمیہ (استخارہ) منقول ہو، ورنہ اغلاط عامہ سے ہے۔

مسئلہ استخارہ میں ضروری چیز دو رکعت نماز اور دعائے استخارہ ہے، باقی سونا اور خواب کا دیکھنا ہرگز شرط نہیں، یہ سب کچھ عوام نے تصنیف کر رکھا ہے، ہاں! یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات استخارہ کا اثر خواب کی شکل میں ظاہر ہو جائے؛ لیکن اس میں اشتراط بالکل نہیں۔ (الفصل والوصل: ص ۴۰۰)

مسئلہ بعض لوگ کسی نئے کام کرنے کے لیے ہر حال میں استخارہ کے لیے کہہ دیتے ہیں سو یہ صحیح نہیں' بات یہ ہے کہ استخارہ (ہر شخص کے لیے نہیں بلکہ استخارہ کرنا) اس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو، ورنہ جو خیالات دماغ میں بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو استخارہ سے معلوم ہوئی ہے حالانکہ خواب میں متخیلہ میں اس کے خیالات ہی نظر آئے ہیں۔ (الافاضات: ص ۴۳۵)

مسئلہ یہ طریقہ استخارہ کا نہیں ہے کہ ارادہ بھی کرو، پھر برائے نام استخارہ بھی کرلو، استخارہ ارادہ سے پہلے چاہیے تا کہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہو جائے اور اسی طرف کا ارادہ کیا جائے، اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ ارادہ سے اول استخارہ کرنا چاہیے، پھر استخارہ سے جس طرف قلب میں ترجیح پیدا ہو جائے وہ کام کرنا چاہیے۔

مسئلہ رات کا وقت ہونا استخارہ کے لیے ضروری نہیں، یہ صرف ایک رسم ڈال لی ہے، صلوٰۃ الاستخارہ کے بعد نہ سونا ضروری ہے نہ رات کی قید ہے، کسی وقت مثلاً ظہر کے وقت دو رکعت نفل پڑھ کر دعاء مسنونہ پڑھے اور تھوڑی دیر قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

تنبیہ: ایک دن میں چاہے کتنی بار استخارہ کرے اور ایک دفعہ بھی کافی ہے، حدیث میں تو ایک دفعہ ہی آیا ہے (ہاں کئی دفعہ کی بھی ممانعت نہیں آئی ہے)

مسئلہ استخارہ ہوتا ہے تردّد کے موقع پر، اور تردّد کے معنی یہ ہیں کہ مصالح طرفین کے برابر ہوں اور جب ایک جانب کی ضرورت متعین ہو تو استخارہ کا کیا معنی؟

مسئلہ پہلے سے اگر کسی جانب اپنی رائے کو رجحان ہو تو اس کو فنا کر دے، جب طبیعت یکسو ہو جائے تب استخارہ کرے اور یوں عرض کرے کہ اے اللہ! جو میرے لیے

بہتر ہو وہ ہو جائے اور یہ دعاء مانگنا اردو میں بھی جائز ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بہتر ہیں۔ (اغلاط العوام، از مولانا تھانویؒ: ص ۱۱۲ تا ۱۱۴)

قرآن کریم سے فال نکالنا

سوال اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ فال کا بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے؛ جبکہ حدیث شریف سے فال لینا ثابت ہے اور بعض بزرگوں سے قرآن کریم یا کلام عرفاء سے تفاول یعنی فال لینا منقول ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟

جواب جواب اس کا یہ ہے کہ منشاء اس شبہ کا اشتراک لفظی ہے، ایک شریعت کی اصطلاح ہے وہ ثابت، اور ایک غلاۃ (شریعت کی حد سے تجاوز کرنے والوں) کی اصطلاح، وہ غیر ثابت۔

اس ثابت بالسنہ وعن الاکابر (یعنی بزرگوں سے اور سنت سے جو ثابت ہے اس) کی اصل اتنی ہے کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہے اس وقت اتفاق سے یا کسی قدر قصد سے کوئی لفظ خوشی و کامیابی کا اس کے کان میں پڑا، یا نظر سے گزرا تو رحمت الٰہیہ سے جو امید ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس (فال دیکھنے والے) کو بھی پہلے سے تھی وہ اس لفظ سے اور قوی ہوگئی۔

پس حاصل اس کا تقویت رجاء رحمت (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید) ہے، اس سے آگے اختراع اور ابتداع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنی چاہئے اور اس سے آگے کی تمام باتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ (اغلاط العوام: ص ۳۲)

مسئلہ بعض فال دیکھنے والوں کا یا اکثر ان عام لوگوں کا جو جلسہ فال میں موجود ہوں یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن سے یہ خبر دی ہے، تو اب اس میں اس کے خلاف کا احتمال ناممکن ہے اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۳۱، مظاہر حق جدید: ج ۵، ص ۲۹۶)

عملیات کی کتابوں سے فال نکالنا

مسئلہ نیک فال لی جاسکتی ہے، اس کو یقینی چیز نہ سمجھا جائے؛ البتہ نجومی اور کاہن

کے پاس جا کر فال نکلوانا اور ان سے غیب کی باتیں معلوم کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''جو نجومی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، پس تحقیق کہ وہ اس چیز سے بیزار ہوا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی'' یعنی کافر ہوا، اور یہ محمول ہے حلال جاننے پر، یا تغلیظ وتشدید ہے۔

(فتاوٰی رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۲۷۰ بحوالہ مظاہر حق: ج ۴، ص ۳۰ وفتاوٰی محمودیہ: ج ۱۸، ص ۶۱)

مسئلہ قرآن شریف سے فال دیکھنا حرام اور گناہ ہے اور اس فال کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا نادانی ہے؛ کیونکہ قرآن مجید کے صفحے مختلف ہو سکتے ہیں، ایک شخص فال کھولے گا، تو کوئی آیت نکلے گی اور دوسرا کھولے گا تو دوسری آیت نکلے گی، جو مضمون میں پہلی آیت سے مختلف ہوگی، پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم سے فال نکال کر کسی شخص نے کوئی کام کیا اور اس کا انجام اچھا نہ نکلا، تو قرآن کریم سے بدعقیدگی پیدا ہوگی، جس کا نتیجہ کفر تک نکل سکتا ہے۔

بہرحال علمائے امت نے قرآن کریم سے فال نکالنے کو ناجائز اور گناہ فرمایا ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مجموعہ کفایت المفتی میں ہے کہ ایک لڑکی کے کچھ زیور کسی نے اٹھا لیے، لوگوں کا خیال ایک شخص کی طرف گیا، اور قرآن کریم سے فال نکالی گئی تو اس شخص کا نام نکلا جس کی طرف خیال کیا گیا تھا، اس کو جب معلوم ہوا تو اس نے مسجد میں جا کر قرآن مجید کے ورق کو پھاڑ کر ان پر پیشاب کر کے (نعوذ باللہ) کہنے لگا: قرآن مجید بھی جھوٹا اور مولوی سالا بھی جھوٹا، تو سائل نے معلوم کیا یہ شخص اسلام میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب شریعت میں فال نکالنا منع ہے اور اس کے منع ہونے کی دو وجہیں ہیں: اول تو یہ کہ علم غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ممکن ہے نام غلط نکلے اور پھر جس کا نام نکلے خدانخواستہ کہیں وہ ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس طرح اس شخص نے کی، شریعت کی خلاف ورزی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جو آپ نے دیکھا، جس شخص نے کلام مجید اور مولویوں کے ساتھ ایسی گستاخیاں کی ہیں وہ کافر ہے؛ لیکن ایسا کافر نہیں کہ کبھی اسلام میں داخل نہ ہو سکے، بلکہ جدید توبہ سے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے، آئندہ فال نکالنے سے احتراز چاہئے، تاکہ فال نکال کر، نکالنے والے اس شخص کی طرح خود بھی اور جس کا نام نکلا تھا اسے بھی

گناہگار نہ کریں۔ (کفایت المفتی: ج ۹، ص ۱۲۹، آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۶۵)

مسئلہ قرآن مجید سے فال نکالنی ناجائز ہے، فال نکالنی اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب مثلاً دیوان حافظ، یا گلستاں وغیرہ سے بھی ناجائز ہے؛ مگر قرآن کریم سے نکالنی تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اس کی جانب سے بدعقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ (کفایت المفتی: ج ۹، ص ۲۲۱)

مسئلہ فال دیکھنے والوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے یہ خبر دی ہے، اب اس کے خلاف کرنا ناممکن ہے اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں (جب ان سے کہا جائے کہ ایسا نہ کرو، کہتے ہیں) کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے؟

(اغلاط العوام: ص ۳۱)

مسئلہ سنت طریقہ کے مطابق استخارہ تو مسنون ہے، حدیث شریف میں اس کی ترغیب آئی ہے؛ لیکن فال کھلوانا ناجائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۶۴)

تعویذ گنڈے کی شرعی حیثیت

• **مسئلہ** تعویذ گنڈے کا اثر ہوتا ہے مگر ان کی تاثیر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے، کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے جو تعویذ گنڈے کیے جاتے ہیں ان کا حکم تو وہی ہے جو جادو کا ہے، ان کا کرنا اور کرانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے؛ بلکہ اس سے کفر کا اندیشہ ہے، اور اس کے اثر ہونے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی پر گندگی پھینک دے تو ایسا کرنا تو حرام اور گناہ ہے اور یہ نہایت کمینہ حرکت ہے مگر جس پر گندگی پھینکی گئی ہے اس کے کپڑے اور بدن ضرور خراب ہوں گے اور اس کی بدبو بھی ضرور آئے گی، پس کسی چیز کا حرام اور گناہ ہونا دوسری بات ہے، اور اس گندگی کا اثر ہونا فطری چیز ہے، تعویذ اگر کسی جائز مقصد کے لیے کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ اور شرک کی بات لکھی ہوئی نہ ہو، پس تعویذ گنڈے کے جواز کی تین شرطیں ہیں:

(اول) کسی جائز مقصد کے لیے ہو، ناجائز مقصد کے لیے نہ ہو۔

(دوم) اس کے الفاظ کفر و شرک پر مشتمل نہ ہوں، اور اگر وہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہو جس کا مفہوم معلوم نہیں تو وہ بھی ناجائز ہے۔

(سوم) تعویذ کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۳۵۱)

دفع طاعون کے لیے "لی خمسة اطفی بها الخ" پڑھنا یا بطور تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ یہ تعویذ لگانا ناجائز اور شرک ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۴۸)

مسئلہ بعض تعویذ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قابل منع کرنے کے ہیں، ایک طاعون کا تعویذ یہ مشہور ہے۔ (جو کہ ناجائز ہے؛ بلکہ شرکیہ الفاظ بھی ہیں)

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه

المصطفٰی والمرتضٰی وابناهما والفاطمة

یہ حضرات پنج تن کے نام مبارک ہیں، اگر کچھ تاویل نہ کی جائے تو اس کا مضمون شرک ہے۔

مسئلہ ایک بات اور بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ شیعہ حضرات تو عموماً اور سنی حضرات بھی بہت سے "نادِ علی" کا مضمون چاندی کے تعویذ پر نقش کرا کر بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں، تو یاد رکھو کہ "نادِ علی" کا مضمون بھی شرک ہے، اس کو چھوڑنا چاہیے، وہ مضمون یہ ہے:

ناد علیا مظهر العجائب تجده عونا لک فی النوائب

کل همّ و غمّ سینجلی بنبوتک یا محمد! و بولایتک

یا علی! یا علی! یا علی!

یہ معلوم نہیں کہ کونسی بحر ہے، نہ بحر طویل ہے نہ بحر قصیر، اول کے مصرعے تو چھوٹے چھوٹے اور اخیر کا مصرعہ بہت طویل، غرض بعض سنی بھی گلے میں اس کو بڑے شوق سے ڈالتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص۱۱۱، بحوالہ الافاضات: ص۲۶۶)

تعویذ پر معاوضہ لینا

مسئلہ قرآنی آیت پڑھ کر دم کرنے کا احادیث طیبہ میں ذکر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور بعد کے صلحاء کا یہ معمول رہا ہے، تعویذ بھی اسی کی ایک شکل ہے؛

اس لیے اس کے جواز میں شبہ نہیں؛ البتہ تعویذ کی حیثیت کو سمجھ لینا چاہئے، بعض لوگ تعویذ کی تاثیر کو قطعی یقینی سمجھتے ہیں، یہ صحیح نہیں؛ بلکہ تعویذ بھی منجملہ اور تدابیر کے ایک علاج اور تدبیر ہے، اس کا مفید ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت (مرضی) پر موقوف ہے۔

بعض لوگ تعویذ کو "روحانی" عمل سمجھتے ہیں، یہ خیال بھی قابل اصلاح ہے، روحانیت اور چیز ہے؛ جبکہ تعویذ وغیرہ محض دنیوی تدبیر و علاج ہے؛ اس لیے جو شخص تعویذ کرتا ہے اس کو بزرگ سمجھ لینا غلطی ہے، بعض لوگ دعاء پر اتنا یقین نہیں رکھتے جتنا تعویذ پر، یہ بھی قابل اصلاح ہے، دعاء عبادت ہے اور تعویذ کرنا کوئی عبادت نہیں ہے، اور کسی ناجائز مقصد کے لیے تعویذ حرام ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۳۵۲)

مسئلہ دعاء تو ایک عبادت ہے اور اس کا معاوضہ طلب کرنا غلطی ہے، باقی وظیفہ تعویذ جو کسی دنیوی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے (بطور علاج) اس کی حیثیت عبادت کی نہیں؛ بلکہ دنیوی تدبیر اور علاج کی ہے، اور اس کا معاوضہ لینا دینا جائز ہے۔

باقی ایسے لوگوں کے وظیفے اور تعویذ کارگر بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۳۵۳)

مسئلہ ایسی انگوٹھی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام یا آیت قرآنی کندہ ہوں، اس کو پہن کر بیت الخلاء میں جانا مکروہ لکھا ہے۔ (عالمگیری مصری: ج۱، ص۵۰)

آیت الکرسی پڑھ کر تالی بجانا

سوال میرے گھر سونے سے پہلے روزانہ آیت الکرسی پڑھ کر زور سے تالی بجائی جاتی ہے، عقیدہ یہ ہے کہ تالی کی آواز جتنی دور جائے گی، گھر ہر بلاء اور چور سے اتنا ہی محفوظ رہے گا، تالی کا اس سے کیا تعلق ہے، مطلع فرمائیں۔

جواب اس طرح تالی بجانا حرام ہے، اور یہ عقیدہ کہ تالی کے بجانے سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور چور بھاگ جاتے ہیں، جاہلانہ توہم پرستی ہے، آیت الکرسی پڑھنا صحیح ہے اور حفاظت کا ذریعہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۲۷۲)

الترغیب والترہیب: ج۳، ص۳۴۹ پر حدیث ہے کہ "آیت الکرسی جس گھر میں پڑھی جائے اور وہاں شیطان (شیطانی اثرات) ہوں تو دور ہو جائیں گے۔"

(اس کے متعلق یہ بات تجربات میں آئی ہوئی ہے کہ اگر رات کو اس کو پڑھ کر سو جائیں تو گھر میں چور، اچکے اور ناگہانی آفتیں نہیں آتیں؛ لیکن تالی بجانا حدیث سے ثابت نہیں ہے، اگر یہ عقیدہ نہ ہو اور اپنے تجربات وعملیات کے اعتبار سے بجائے تو اور بات ہے)(محمد رفعت قاسمی)

بدشگونی اور اسلام

سوال اسلام میں نحوست کی کیا اہمیت ہے؟ بعض لوگ پاؤں پر پاؤں رکھنے کو نحوست سمجھتے ہیں، اور کچھ لوگ انگلیاں چٹخانے کو، بعض جمائیاں لینے کو نحوست سمجھتے ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں دن منحوس ہے وغیرہ وغیرہ ان سب کا کیا حکم ہے؟

جواب اسلام میں نحوست اور بدشگونی کا کوئی تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے، حدیث شریف میں بدشگونی کے عقیدہ کی تردید فرمائی گئی ہے، سب سے بڑی نحوست انسان کی اپنی بدعملیاں اور فسق وفجور ہے، جو آج مختلف طریقوں سے گھر گھر میں ہو رہا ہے، الا ماشاء اللہ۔ اور یہ بدعملیاں اور نافرمانیاں خدائی قہر اور لعنت کی موجب ہیں، ان سے بچنا چاہئے، نیز اسلام نحوست کا قائل نہیں ہے؛ اس لیے کسی کام یا دن کو منحوس سمجھنا غلط ہے، انگلیاں چٹخانا نامناسب ہے اور اگر جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔

مسئلہ لڑکوں کی پیدائش پر زیادہ خوشی ایک طبعی امر ہے؛ لیکن لڑکیوں کو یا ان کی ماں کو منحوس سمجھنا اور ان کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ مختلف رنگ چوڑیاں اور کپڑے پہننا جائز ہے اور یہ خیال کہ فلاں رنگ سے مصیبت آجاتی ہے، محض توہم رستی ہے، رنگوں سے کچھ نہیں ہوتا، اعمال سے انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول یا مردود ہوتا ہے۔

مسئلہ ماہ محرم، صفر، شعبان، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ وغیرہ کے مہینوں میں شادی نہ کرنا، اس عقیدے پر مبنی ہے کہ یہ مہینے منحوس ہیں، اسلام اس نظریہ کا قائل نہیں ہے، ماہِ محرم میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی؛ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مہینہ میں عقد نکاح ممنوع ہوگیا، ورنہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی شخصیت کا انتقال ہوا جو حضرت حسینؓ سے بھی بزرگ تر تھے، اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے کسی

میں بھی نکاح نہ کیا جائے، پھر شہادت کے مہینہ کو سوگ اور نحوست کا مہینہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔

مسئلہ ہفتہ کے سارے دنوں میں سرمہ لگانے کی اجازت ہے کسی خاص دن کی تخصیص نہیں ہے۔

مسئلہ عصر ومغرب کے درمیان کھانے پینے میں کوئی کراہت نہیں ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں کہ عصر ومغرب کے درمیان کچھ نہ کھانے پینے سے روزہ کا ثواب ملتا ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج۱، ص۳۵۸)

بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے

مسئلہ لوگوں میں مشہور ہے کہ شام کے وقت مرغا اذان دے تو اس کو فوراً ذبح کردو؛ کیونکہ یہ اچھا نہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ مرغی اذان دے تو اس کو بھی فوراً ذبح کردو؛ کیونکہ اس سے وباء پھیلتی ہے، سو یہ غلط ہے، شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ بعض جگہ غیر شادی شدہ لڑکے یا لڑکی کے چمچہ، ڈوئی، چاٹ لینے سے ان کی شادی میں بارش کا گمان کر لیتے ہیں، یہ بھی لغو اور مہمل بات ہے۔

مسئلہ اکثر لوگ دُمدار ستارے کے ظاہر ہونے کو منحوس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''جب یہ ستارہ ظاہر ہوتا ہے تو انسانوں پر مصیبت بلائیں آتی ہیں اور ملک میں جنگیں شروع ہو جاتی ہیں'' یہ بالکل غلط ہے، محض نجومی خیال ہے، شریعت اسلام اس قسم کے خیالات کو باطل ٹھہراتی ہے۔

مسئلہ بعض حضرات منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ بھی بالکل غلط ہے، کسی بھی دن کو منحوس سمجھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ چڑیوں کے ریت میں نہانے سے بارش کا گمان کر لینا، اسی طرح مور کے بولنے کو بارش ہونے کی علامت قرار دینا بے اصل ہے۔

مسئلہ صبح سویرے کسی کو گالی دینے، ٹھوکر لگ جانے یا اور کوئی ضرر پہنچ جانے پر شام تک اسی طرح ہوتے رہنے کا شگون لینا، بے اصل اور خلاف شرع ہے۔

مسئلہ رات کو کتے کے رونے سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کل صبح اس بستی میں موت ہونے والی ہے، یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ مشہور ہے کہ جب ہچکی آتی ہے تو قبر یاد کرتی ہے، یہ بھی غلط ہے ہچکی آنے کا یہ سبب نہیں ہے۔

مسئلہ جب کسی شخص کا غائبانہ تذکرہ ہو رہا ہو اور تذکرہ کے دوران یا کچھ دیر بعد وہ آدمی آجائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ شخص لمبی عمر والا ہے، شریعت میں اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بدشگونی سے متعلق مسائل

مسئلہ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت، رنج وغم اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی پیش آتی ہے، یہ خیال بالکل غلط ہے، اس کی بھی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ اکثر عوام کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے سے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے، یہ سب لغو اور مہمل باتیں ہیں، بدشگونی ہے۔

مسئلہ بعض عورتیں مکان کے منڈیر پر کوے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمد کا شگون لیتی ہیں، یہ خیال کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ بعض صبح کے وقت کسی خاص مقام کے نام سے یا کسی جانور جیسے سانپ، سؤر وغیرہ کے نام لینے کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ سب بالکل لغو باتیں ہیں۔

مسئلہ عوام میں رائج ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو معیوب سمجھا جاتا ہے اور برا مان کر کہتا ہے کہ میں کنوئیں میں نمک ڈال دوں گا جس سے تیرے منہ پر جھائیاں پڑ جائیں گی، یہ بھی محض بے اصل ہے، نیز یہ خیال کرتے ہیں کہ جس کے جھاڑو ماری گئی ہے اس کا جسم جھاڑو کی وجہ سے سوکھ جاتا ہے؛ اس لیے جھاڑو پر تھوک دو یعنی تھتکار دو، یہ بات بھی بے اصل ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ڈوئی مارنے سے بھوکا ہو جاتا ہے یعنی جس کے

ڈوئی ماری جائے وہ کھانا زیادہ کھانے لگتا ہے، یہ بات بھی بالکل بے اصل ہے۔

مسئلہ بعض حضرات کے یہاں مروج ہے کہ جب کہیں کوئی آدمی جارہا ہو اور اس کو پیچھے سے بلایا جائے تو وہ لڑائی لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بلایا ہے؟ کیونکہ میرا کام نہیں ہوگا، اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ بعض کا دستور ہے کہ جب کوئی کہیں جارہا ہو اور کوئی چھینک دے تو جانے والا واپس چلا جاتا ہے یعنی لوٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب میرا کام نہیں ہوگا، یہ بھی غلط اور بے اصل ہے۔

مسئلہ بعض لوگ کسی کام کے لیے جاتے وقت بلی کے سامنے سے گزر جانے سے اس کام میں ناکامی ہونے کا خیال کرتے ہیں، یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۲۵)

مسئلہ بہت سے دکاندار صبح سویرے سامان ادھار دینے سے اس لیے منع کر دیتے ہیں کہ اگر ہم نے صبح اول ہی ادھار دے دیا تو شام تک ہمارا سامان ادھار ہی فروخت ہوگا، یہ محض بدشگونی ہے، ہاں! اگر کسی مصلحت سے ادھار نہ دیں تو اور بات ہے۔

مسئلہ مشہور ہے کہ جس گھر میں مکڑی کے جالے ہو جاتے ہیں تو اس گھر والے مقروض ہو جاتے ہیں، سو شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، ہاں! گھر کو مکڑی کے جالوں وغیرہ سے صاف رکھنا شرعاً محبوب ہے، صفائی اور ستھرائی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۳۸)

مسئلہ اگر کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو آگے جانا خطرے کا باعث نہیں ہوتا، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض توہم پرستی کی بات ہے (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۲۷۶)

مسئلہ بعض عوام کسی خاص دن یا خاص وقت میں سفر کرنے کو برا یا اچھا سمجھتے ہیں، یہ کفار اور نجومیوں کا اعتقاد ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر میں یا صندوق میں تالہ وغیرہ لگا دے تو اس کے گھر تالہ لگ جاتا ہے (یعنی گھر بند ہو جاتا ہے) ویران ہو جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۷)

مسئلہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے کہ جھاڑو نہیں کھڑی کرنی چاہیے، یا

رات کے وقت جھاڑو نہ دو، یا چارپائی پر چادر لمبائی والی جانب کھڑے ہو کر بچھانی چاہئے، یا چپل پر چپل نہیں رکھنی چاہئے، یا رات کے وقت ناخن نہ کاٹو، منگل کو بال و ناخن جسم سے الگ نہ کرو یا کھانا کھا کر جھاڑو نہ دو، یہ ساری باتیں شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کی حیثیت توہم پرستی کی ہے یعنی شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ غروب آفتاب کے بعد فوراً لائٹ یا چراغ جلانا ضروری نہیں ہے، یہ توہم پرستی ہے، شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ بچے کے دانت اگر الٹے نکلتے ہیں تو بعض کہتے ہیں کہ ننھیال یا ماموں پر بھاری پڑتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض توہم پرستی ہے۔

مسئلہ عوام میں غلط فہمی یہ ہے کہ جائے نماز (مصلّٰی) کا کونا الٹنا شیطان کو عبادت سے روکنے کے لیے ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔

مصلّٰی کا کونا الٹنے کا رواج تو اس لیے ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلاضرورت جائے نماز بچھی نہ رہے اور خراب نہ ہو، عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جائے نماز نہ الٹی جائے تو شیطان نماز پڑھتا ہے، یہ بالکل مہمل اور لایعنی بات ہے، اس رواج کی کوئی اصل نہیں اور یہ اعتقاد بالکل غلط ہے

مسئلہ نمک زمین پر گرنے سے کچھ نہیں ہوتا، قصداً گرانا برا ہے؛ کیونکہ نمک بھی خدا کی نعمت ہے، اس کو جان کر زمین پر نہیں گرانا چاہئے، لوگوں میں یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ قیامت کے دن پلکوں سے اٹھانا پڑے گا، نیز زمین پر گرم پانی ڈالنے سے کچھ نہیں ہوتا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین کو تکلیف ہوتی ہے، یہ محض غلط خیال ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۱۱۱)

مسئلہ جس عورت کا پہلا بچہ ضائع ہو جاتا ہے اس کے لیے شگون کرتے ہیں کہ زچہ (عورت) کے پاس تلوار یا چھری حفاظت بلیات کے لیے رکھ دیتے ہیں، یہ بھی محض ٹوٹکا اور شرک کی بات ہے۔ (جو کہ نہیں کرنی چاہیے) (بہشتی زیور: ج ۶، ص ۸)

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کا حکم

سوال ایک شخص صحیح العقیدہ ہے، نماز و روزہ وغیرہ کا پابند ہے؛ لیکن دنیوی

تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسا شخص جو نماز و روزہ کا پابند ہے؛ لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے؛ بلکہ صرف تجارت وغیرہ، دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ قادیانی جس سے ان کے تجارتی تعلقات ہیں اگر پہلے سے مسلمان تھا بعد میں العیاذ باللہ مرتد ہوا یا اس کا باپ مرتد ہوا تو وہ قادیانی چونکہ خود اپنے مال کا مالک نہیں ہے اور اس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے؛ اس لیے یہ شخص اگر ان سے تجارت کرتا ہے تو یہ تجارت ہی صحیح نہ ہوگی۔ (شامیہ: ج۴، ص۳۱۱)

اگر وہ قادیانی مرتد یا مرتد کا بیٹا نہیں؛ بلکہ باپ دادا ہی سے باطل عقیدہ پر ہے تو ایسے قادیانی سے تجارت کرنے سے مال کا مالک تو ہو جائے گا؛ لیکن ایسے لوگوں سے تجارت کا معاملہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے ان کے ساتھ ایک قسم کا تعاون ہو جاتا ہے، نیز اس قسم کے معاملات میں یہ قباحت بھی ہے کہ عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں، علاوہ ازیں اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں؛ اس لیے قادیانی سے لین دین اور دیگر قسم کے معاملات میں قطع تعلق رکھنا ضروری ہے، ان سے تعلقات رکھنے والا آدمی اگرچہ ان کو برا سمجھتا ہو، قابل ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۴۶)

مسئلہ قادیانی کا حکم مرتد کا ہے، ان کے گھر جانا ہی درست نہیں نہ کسی قسم کا تعلق رکھنا۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۱۷)

منت کیا ہے؟

بعض مسلمان مرد اور عورتوں کی جہالت کی کوئی حد نہیں رہی ہے، مثلاً لڑکا بیمار ہوا تو اس کی نذر (منت) مانی جاتی ہے کہ اے فلاں ولی اللہ! اگر میرے لڑکے کو آرام ہو جائے گا تو تیرے نام کی اتنی نذر یعنی منت کریں گے، اب اگر اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے رحم و کرم سے آرام دے دیا تو نذر و نیاز لے کر بڑی خوشی سے اس درگاہ پر کفر و شرک کرنے لگتے ہیں

اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو دنیا سے اٹھالیا یعنی موت دے دی تو ساری بدنامی اللہ تعالیٰ کے سر پڑتی ہے، اور اس ولی پر کچھ بھی نہیں، اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے لڑکے کو آرام نہیں ہوا، آپ لوگوں نے تو کوششیں بہت کیں، یعنی کفر بھی کیا، شرک بھی کیا اور بدعت باقی نہیں چھوڑی پھر بھی آپ کے بچے کو آرام نہیں ہوا؟ تو جواب میں کہیں گے کہ بھائی اللہ کو منظور ہی نہیں تھا تو پھر ہمارے حیلوں سے آرام کیسے ہوتا؟

دیکھئے کہ کس قدر بے وقوفی اور جہالت ہے، جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی آرام نہیں دے سکتا ہے۔

سیکڑوں جاہل حضرات اولیاء علیہم السلام اور فرشتوں اور دیگر غیر محسوس چیزوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری ضرورت کو پورا کرتے ہیں، اگر ہم ان کی پرستش نہ کریں تو ہمارے کاروبار میں فرق آجائے گا اور وہ ہم کو نقصان یا تکلیف پہنچائیں گے، اور اس پر اتفاقاً مراد کا حاصل ہو جانا، یا پرستش (پوجا) میں کمی سے اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آنا، ان کے خیال باطل کی اور بھی قوی دلیل ہو جاتی ہے، درحقیقت یہ قوت وہمیہ کی کاری گری ہے اور کچھ نہیں، جس طرح تنہا مقام یا مکان میں عوام کو مردے سے ڈراتی ہے اسی طرح ان لوگوں کو نفع ونقصان کا وہم بھی یہی قوتِ وہمیہ دلاتی ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی نذر یعنی منت ماننی جائز نہیں ہے، چاہے فرشتہ ہو یا نبی ہو یا ولی ہو۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ نذر یعنی منت ماننی کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے جائز نہیں، نہ نبی کی، نہ فرشتے کی، نہ ولی کی، نہ اور کسی کی۔ (مظاہر حق: ج ۳، ص ۲۲۳، نذر کا بیان)

مسئلہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے اپنی حاجتوں میں مدد طلب کریں جیسے مریض کے لیے شفاء یا محتاج کے لیے مالداری اور اس کی نذر اور منت مانیں اور امید رکھیں کہ ہماری نذر سے مرادیں پوری ہوں گی یا ان کے ناموں کا وظیفہ بنالیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ص ۶۲، اقسام شرک، وفتاویٰ رشیدیہ: ج ۱، ص ۴۷)

منت کی شرائط

مسئلہ شرعاً منت ماننا جائز ہے مگر منت ماننے کی چند شرطیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ منت اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جائے، غیر اللہ کے نام کی منت جائز نہیں؛ بلکہ گناہ ہے۔ (۲) یہ کہ منت صرف عبادت کے کام کی صحیح ہے، جو کام عبادت نہیں اس کی منت بھی صحیح نہیں۔ (۳) سوم یہ کہ عبادت بھی ایسی ہو کہ اس طرح کی عبادت کبھی فرض، یا واجب ہوتی ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور قربانی وغیرہ، ایسی عبادت کہ اس کی جنس کبھی فرض یا واجب نہیں، اس کی منت بھی صحیح نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۱۹)

مسئلہ صرف کسی بات کا دل میں خیال آنے سے منت نہیں ہوتی؛ بلکہ زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۲۵)

کام ہونے سے پہلے منت ادا کرنا

سوال اگر کوئی شخص منت مانے کہ فلاں کام ہونے پر روزے رکھوں گا، یا نفل پڑھوں گا تو وہ شخص کام ہونے پر منت پوری کرے یا اس سے پہلے؟

جواب اللہ تعالیٰ کے نام کی منت جائز ہے اور کام ہونے کے بعد منت کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے، پہلے نہیں، اور کام پورا ہونے سے پہلے اس منت کا ادا کرنا بھی صحیح نہیں، پس اگر منت کا روزہ پہلے رکھ لیا،، اور کام بعد میں پورا ہوا، تو کام ہونے کے بعد دوبارہ روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۲۵، وفتاویٰ رشیدیہ: ص۵۴۷)

مسئلہ اگر کسی نے منت مانی کہ میرا بھائی آجائے تو دس روپے خیرات کروں گا، پھر آنے کی خبر پا کر آنے سے پہلے ہی دس روپے خیرات کر دیئے، تو یہ منت پوری نہیں ہوئی، بھائی کے آنے کے بعد پھر خیرات کرے۔ (بہشتی زیور: ج۳،ص۵۰)

مسئلہ منت ماننا جائز ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا؛ اس لیے بجائے منت ماننے کے نقد صدقہ کرنا چاہئے؛ مگر صدقہ پاک مال سے ہونا چاہئے، ناپاک اور حرام مال میں سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۲۰)

مسئلہ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا؛ بلکہ الٹا موجب وبال ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک چیزیں قبول کرتے ہیں، حرام اور ناجائز مال سے صدقہ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گندگی کا ٹوکرا کسی بادشاہ کو ہدیہ کے

طور پر پیش کرے، ظاہر ہے کہ اس سے بادشاہ خوش نہیں ہوگا؛ بلکہ الٹا ناراض ہوگا۔
(آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۲۲)

نذر اور منت کی تعریف

مسئلہ نذر کے معنی ہیں کسی شرط پر کوئی عبادت اپنے ذمہ لے لینا، مثلاً اگر فلاں کام ہو جائے تو میں اتنے نفل پڑھوں گا، اتنے روزے رکھوں گا، بیت اللہ کا حج کروں گا یا اتنی رقم فقراء کو دوں گا وغیرہ، اسی کو منت بھی کہا جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۱۹)

صدقہ اور منت میں فرق

سوال صدقہ اور منت میں کیا فرق ہے؟

جواب نذر اور منت اپنے ذمہ کسی چیز کو لازم کرنے کا نام ہے، مثلاً کوئی شخص منت مان لے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنا صدقہ کروں گا، کام ہونے پر منت مانی ہوئی چیز واجب ہو جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص بغیر لازم کیے ہوئے اللہ کے راستے میں خیر خیرات کرے تو اس کو صدقہ کہتے ہیں، گویا منت بھی صدقہ ہی ہے؛ مگر وہ صدقہ واجبہ ہے؛ جبکہ عام صدقات واجب نہیں ہوتے۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۱۸)

خیرات، صدقہ اور نذر میں فرق

مسئلہ صدقہ خیرات تو ایک ہی چیز ہے یعنی جو مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی خیر کے کام میں خرچ کیا جائے وہ صدقہ وخیرات کہلاتا ہے، اور کسی کام کے ہونے پر کچھ صدقہ کرنے کی یا کسی عبادت کے بجالانے کی منت مانی جائے تو اس کو "نذر" کہتے ہیں، نذر کا حکم زکوٰۃ کا سا حکم ہے، اس کو صرف غریب غرباء ہی کھا سکتے ہیں، مالدار نہیں کھا سکتے، نیاز کے معنی بھی نذر ہی کے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۱۸)

صدقہ کی تعریف اور اقسام

مسئلہ جو مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اللہ کی راہ میں غرباء ومساکین کو دیا جاتا

ہے، یا خیر کے کسی کام میں خرچ کیا جاتا ہے، اس کو "صدقہ" کہتے ہیں۔ صدقہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) فرض، جیسے زکوٰۃ (۲) واجب، جیسے نذر، صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ (۳) نفلی صدقات، جیسے عام خیر خیرات۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۱۸)

غلط نذر کا حکم

مسئلہ بعض گناہ کی منت (نذر) مان لیتے ہیں مثلاً کسی نے منت مانی کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو ناچ کا جلسہ کروں گا، یہ بیہودہ نذر ہے، اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔

(فروع الایمان: ص۴۱)

مسئلہ بعض حضرات مکروہ اور بدعت کی نذر مان لیتے ہیں، مثلاً اپنے بیٹے کو امام حسینؓ کا فقیر بنانا، کسی کے نام کی چوٹی رکھنا، یا کان میں بالی پہننا، یا کسی مزار پر غلاف بھیجنا، یا شیخ سدو کا بکرا کرنا، خدائی رات کرنا، مشکل کشا کا روزہ رکھنا، اور بہت سی غلط باتیں مشہور ہیں، جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں؛ بلکہ کلیاً یا جزیاً ممانعت آئی ہے۔

(اغلاط العوام: ص۱۴۱)

مسئلہ نہ تو مزار پر سلامی کی منت ماننا جائز ہے اور نہ اس کا پورا کرنا، اگر کسی نے مزار پر سلام کرنے کی منت مانی تھی تو ایسی منت ماننا صحیح نہیں ہے، اور اس کا پورا کرنا بھی درست نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۲۱)

مسئلہ خاتونِ جنت کی کہانی من گھڑت ہے، نہ اس کی منت درست ہے نہ اس کو پورا کرنا جائز۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۲۱ وفتاویٰ محمودیہ: ج۱۴، ص۳۱۶)

مسئلہ بعض عورتیں منت مانتی ہیں کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہو جائے تو مسجد میں جا کر سلام کروں گی، یا بعض کہتے ہیں کہ مسجد کا طاق (مٹھائی وغیرہ سے) بھروں گی، مراد پوری ہونے پر مسجد میں جا کر اپنی منت پوری کرتی ہیں، یہ غلط ہے، مسجد کا سلام یہ ہی ہے کہ کچھ نوافل پڑھ لو اور دل سے شکر ادا کر لو، اور یہ کام گھر بھی ممکن ہے، اور طاق بھرنا یہ ہی ہے کہ جو توفیق ہو محتاجوں کو تقسیم کر دو، اور یہ کام گھر میں بیٹھے بھی ہو سکتا ہے۔

(اغلاط العوام: ص۱۱۸)

مسئلہ بعض حضرات نذر غیر اللہ کی کرتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ! اگر ہمارا کام

مالدار کو بھی نہ دینا چاہئے اور نہ نذر کرنے والے کے ماں باپ، بیٹا و بیٹی کو اس میں سے کھانا درست ہے، یہ صرف فقراء کا ہی حق ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ج ۱، ص ۵۴۸)

مسئلہ اگر نذر میت کے لیے مانی گئی تو وہ حرام ہے، اس کا کھانا کسی کے لیے جائز نہیں ہے، اگر نذر خدا کے لیے اور ثواب میت کے لیے مانی ہے تو فقراء کو اس کا کھانا شرعاً درست ہے، مالدار اور عہدہ دار علماء کو ایسا کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۲۴)

صدقہ کا مصرف

سوال ایک شخص صدقہ میں بکرا کرتا ہے اور وہ گوشت آس پاس پڑوس میں بانٹتا ہے اور گھر میں بھی استعمال کرتا ہے تو کیا صدقہ کے بکرے کا گوشت گھر میں بھی استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب بکرا ذبح کرنے سے صدقہ نہیں ہوتا؛ بلکہ فقراء و مساکین کو دینے سے صدقہ ہوتا ہے؛ اس لیے جتنا گوشت محتاجوں کو تقسیم کر دیا اتنا صدقہ ہوگیا اور جو گھر میں کھا لیا وہ نہیں ہوا؛ البتہ اگر نذر مانی ہوئی تھی تو اس پورے بکرے کا محتاجوں پر صدقہ کرنا واجب ہوگا، نہ مالدار پڑوسیوں کو دینا جائز ہے اور نہ گھر میں کھانا جائز ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۵)

صدقہ غریب کے بجائے کتے کو ڈالنا

سوال میں شام کو اللہ کے نام کا کھانا روٹی یا ایک پلیٹ چاول کتے کو ڈلوا دیتی ہوں، فقیر کو نہیں دیتی؛ کیونکہ آج کل فقیر تو بناوٹی ہوتے ہیں، تو کیا میں یہ کھانا کتے کو ڈال کر صحیح کرتی ہوں؟

جواب جو فرق انسان اور کتے میں ہے، وہی انسان اور کتے کو دی گئی ''خیرات'' میں ہے، اور آپ کا یہ خیال کہ آج کل فقیر بناوٹی ہوتے ہیں، بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ضرورت مند اور محتاج ہیں؛ مگر کسی کے سامنے اپنی حاجت مندی کا اظہار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو صدقہ دینا چاہئے، دینی مدارس کے طلبہ کو دینا چاہئے، اسی طرح ''فی سبیل اللہ'' کی بہت سی صورتیں ہیں؛ مگر آپ کے صدقہ کا مستحق صرف کتا ہی رہ

گیا؟ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۸)

ولی کے نام سے بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا

مسئلہ اس طرح منت ماننا کہ "اے بزرگ! میرا فلاں کام ہو جائے گا تو آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا (یہ غیر اللہ سے مانگنا ہوا) یا آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا، سخت گناہ اور حرام ہے اور مشرکانہ فعل ہے، یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی (کیونکہ منت میں ضروری ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہٖ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ کا فعل ہے تو منت کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے) یہ چیز جہالت سے سرزد ہوتی ہے؛ اس لیے توبہ واستغفار لازم ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ٦، ص ٦٩ وشامی: ج ۳، ص ۳۹۹)

روزہ کی نذر کی صورت میں فدیہ دینا

سوال زید نے نذر مانی کہ بھائی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید تاجر ہے، اس کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہے، کیا وہ فدیہ دے سکتا ہے؟

جواب طبیعت ٹھیک ہو جانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق بھی رکھ سکتا ہے، کفارہ کافی نہ ہوگا، جس چیز کی نذر مانی ہے وہ پورا کرنا لازم ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ٦، ص ۱۷، بحوالہ فتاویٰ عالمگیری: ج ۳، ص ۴۲ وہدایہ: ج ۱، ص ۴٦۳)

اللہ کے سوا کسی کی نذر کرنا

سوال کسی بزرگ اور ولی کی زیارت کو جانا اور مدد اور حاجت روائی چاہنا اور نذر کرنی کہ اگر یہ کام ہو جائے تو اتنی رقم خیرات وصدقہ کروں گا، جائز ہے یا نہیں؟

جواب بزرگوں کی زیارت درست ہے؛ مگر سنت طریقہ سے جائے (قبر پر ہاتھ رکھنا اور اس کو چھونا اور چومنا سجدہ وغیرہ کرنا نصاریٰ کی عادت ہے) اور مدد مانگنا اولیاء سے حرام ہے، مدد حق تعالیٰ سے مانگنی چاہیے، اللہ کے علاوہ کوئی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، پس غیر اللہ سے مدد مانگنا، اگرچہ ولی ہو یا نبی، شرک ہے اور یہ نذر کرنا کہ اللہ تعالیٰ میرا کام

کر دے تو میں اتنی رقم اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ کروں گا، درست ہے، اور اگر یوں کہے کہ اگر میرا کام ہو گیا تو (فلاں) ولی کے نام پر دس روپے (یا اتنی رقم) دوں گا تو یہ نذر حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ نذر عبادت ہوتی ہے، اور عبادت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی درست نہیں ہے، اور اگر یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرا کام کر دیں تو دس روپے (یا اتنی رقم) کا ثواب اللہ تعالیٰ کے واسطے فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا تو مضائقہ نہیں کہ اس میں نذر غیر اللہ کی نہیں ہے صرف غیر کو ثواب کا پہنچانا ہے، نذر اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۵۵۰ وصحیح بخاری: ج ۱، ص ۱۳۱)

مسئلہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کی خاطر جو نذر چڑھائی جاتی ہے اور بزرگوں کے مزارات پر جو موم بتی، خوشبو اور روپیہ پیسہ چڑھایا جاتا ہے، جس کا مقصد بزرگوں کو خوش کرنا اور ان کا تقرب حاصل کرنا ہے، یہ سب باتفاق ائمہ حرام اور باطل ہیں، اور ان کے حرام اور ناجائز ہونے کی کئی وجہیں لکھی ہیں: ایک تو یہ کہ یہ مخلوق کے لیے نذر ماننا ہے، حالانکہ نذر عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے یہ کہ جس کے لیے نذر مانی ہے وہ مردہ ہے تو بھلا وہ کسی چیز کا کیسے مالک ہو سکتا ہے، اور تیسرے یہ کہ اس میت کے ساتھ یہ اعتقاد بھی کیا جاتا ہے کہ وہ عالم میں تصرف کرتا ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۱۵ بحوالہ درمختار)

مندر اور قبر کا چڑھاوا خریدنا

مسئلہ جو مرغ، بکرا و کھانا کفار اپنے معابد (مندر) پر چڑھاتے ہیں اور کافر مجاور لیتا ہے تو اس کا خریدنا درست ہے؛ کیونکہ کافر مالک ہو جاتا ہے اور جو مسلمان مجاور ایسی چیز لیتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کا خریدنا درست نہیں، اور یہ جب ہے کہ خریدنے والے کو علم ہو اس کے چڑھاوا ہونے کا اور بغیر علم کے تو مباح ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۴۹۰)

مسئلہ اگر بکرے غیر اللہ کے نام پر چڑھائے گئے تو ان کو خریدنا اور گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۲۹۸)

مسئلہ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ قسم کھاتے وقت بائیں ہاتھ کا انگوٹھا موڑ لیا جائے تو قسم نہیں ہوتی، یہ غلط ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۲۸)

بتوں کے نام کا پرشاد کھانا

سوال غیر مسلموں کے تہواروں پر "پرشاد" تقسیم کی جاتی ہے، جس میں پھل اور پکے پکائے کھانے بھی ہوتے ہیں اور یہ مختلف بتوں کی نذر کر کے تقسیم کی جاتی ہے، تو کیا اس کا کھانا حرام ہے؟

جواب بتوں کے نام کی نذر کی ہوئی چیز شرعاً حرام ہے، کسی مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص۱۷)

مزارات پر جو تیل جمع ہو اس کو کیا کریں؟

مسئلہ قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں؛ اس لیے جو تیل درگاہ کی روشنی کے لیے دیا جاتا ہے اس کو اصل مزار پر جلانا نہیں چاہئے؛ البتہ اگر مزار کے متعلق کمرے ہوں، یا راستہ پر روشنی کی ضرورت ہو، تو وہاں جلایا جا سکتا ہے اور اگر کوئی مسجد درگاہ ہی کے متعلقات میں سے ہو تو اس مسجد میں بھی جلایا جا سکتا ہے، اسی طرح امام صاحب کا کمرہ اگر متعلقات درگاہ میں ہو تو اس میں بھی جلا سکتے ہیں، ورنہ بلا اجازت مالک دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذرانہ مزار پر چڑھایا ہے تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں؛ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے، جس کو نذر کی گئی ہے۔ (امداد المفتیین: ج۱،ص۱۸)

مسئلہ بعض لوگ قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، یہ تو بالکل حرام ہے اور اس چڑھاوے کا کھانا بھی درست نہیں ہے، نہ خود کھاؤ، نہ دوسروں کو دو؛ کیونکہ جس کا کھانا درست نہیں ہے اس کا دینا بھی درست نہیں۔ (بہشتی زیور: ج۶،ص۵۲)

مسئلہ قبر پر چادر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے اور نذر اس کی کرنا دوسرا گناہ ہے، یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوئی؛ لہٰذا منت پوری ہونے پر چادر چڑھانا جائز نہیں ہے، ہاں! اگر بطور شکرانہ کے (فقیروں کو) صدقہ کر دے تو بہتر ہے۔ (امداد المفتیین: ص۱۹، ج۱)

مسئلہ بعض حضرات مزاروں پر چادریں اور غلاف بھیجتے ہیں اور اس کی منت مانتے ہیں، تو یاد رہے کہ چادر چڑھانا منع ہے اور جس عقیدے سے لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ

شرک ہے۔ (بہشتی زیور: ج ۶، ص ۵۲)

قبر پر بکرا نذر کرنا

سوال عوام قبروں پر بکرا چڑھاتے ہیں اور نذریں مانتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ یہ بکرا فلاں پیر کا ہے، پھر اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے ہیں، ایسے جانور کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب جس جانور کو تعظیماً اور تقرباً الی غیر اللہ ذبح کیا جائے، اگرچہ کرتے وقت اللہ کا نام اس پر لیا جائے، اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم: ج ۳، ص ۱۲)

کسی کے نام پر ذبح کرنا

سوال کسی کے نام کا بکرا یا مرغ ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ہو حرام ہے، اور عمر کہتا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کے سوا کسی کا نام لیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے اور غیر وقت میں نام لینے سے حرام نہیں ہوتا، اگر غیر وقت نام لینے سے حرام ہو جایا کرتا تو سب بیل بکری وغیرہ حرام ہوتے؛ کیونکہ جو کوئی بکرا پالتا ہے تو لوگ کہتے ہیں فلاں کا بکرا، اس پر بھی اللہ کے سوا غیر کا نام آ گیا، تو اس کا جواب کیا ہے؟

جواب جو جانور غیر کے نام کا ہو اُس کو اُس ہی نیت سے ذبح کرنا، بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے، اور جانور حرام ہی رہتا ہے، ایسے جانور کو ذبح نہ کرے، اور کسی کا بکرا کہنا مالک ہونے کی وجہ سے درست ہے؛ مگر کسی کے تعظیم اور قربت کا کہنا حرام ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے تو اُس میں کچھ حرج نہیں، تعظیم غیر پر ذبح سے حرام ہوتا ہے، نہ کہ مالک ہونے سے کسی شخص کے، دونوں میں فرق ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۵۴۹، وفتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۸۸)

صدقہ میں رنگ کی قیود لگانا

سوال کیا صدقہ میں کالا مرغا یا کسی رنگ ونسل کا مرغا ضروری ہے؟

جواب جو چیز رضائے الٰہی کے لیے فی سبیل اللہ دی جائے وہ صدقہ کہلاتی ہے۔ نفلی صدقہ کم یا زیادہ اپنی توفیق کے مطابق آدمی کرسکتا ہے، صدقہ سے بلائیں دور ہو جاتی ہیں، صدقہ میں بکرے یا مرغ کا ذبح کرنا کوئی شرط نہیں اور نہ کسی رنگ و نسل کی قید ہے، بعض لوگ جو اس قسم کی قیود لگاتے ہیں وہ اکثر بد دین ہوتے ہیں۔

(آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۲۳)

مسئلہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو بھی مال خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہے، وہ کسی محتاج کو نقد روپیہ پیسہ دے دے، یا کھانا کھلا دے یا کپڑا دیدے یا کوئی اور چیز دیدے؛ لیکن کالا بکرا یا کالی مرغی کی کوئی خصوصیت نہیں، نہ صدقہ کے لیے بکرا یا مرغی ذبح کرنا ہی کوئی شرط ہے؛ بلکہ اگر ان کی نقد قیمت ہی محتاج کو دیدے تو اس کا بھی اتنا ہی ثواب ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۳۰)

مسئلہ کام ہونے پر اگر مٹھائی کی منت مانی تھی تو مٹھائی تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اتنی رقم کسی محتاج کو دے دی جائے۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۲۴)

بھینٹ کے مرغ کا حکم

سوال کسی جانور مثلاً مرغا وغیرہ کو جانوروں کے اوپر سے پھیر کر یا کسی انسان کے سر پر سے پھیر گھما کر رکھا جائے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

جواب یہ مشرکانہ طریقہ ہے، اس کو بھینٹ چڑھانا کہتے ہیں، یہ غیر اللہ کے لیے نذر ہوتی ہے جو کہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷، ص۳۹۴)

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم

سوال غیر اللہ کے نام پر بیل بھینسا چھوڑے جاتے ہیں، اگر اس کا کھانا درست نہیں تو اس سے گابھن کرانا اور بچہ پیدا کرانا کیا درست ہے؟

جواب غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام ہیں، ان کا کھانا ہرگز جائز نہیں؛ لیکن اگر ایسے جانور سے گائے وغیرہ گابھن ہو کر بچہ دے تو وہ بچہ مردار نہیں

ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۳۹۱)

کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا

سوال ایک شخص رمضان کی ۲۷ ؍تاریخ کو ایک سیاہ رنگ کی بکری ذبح کرتا ہے اور تمام گھر کے آدمی ہلدی میں ہاتھ رنگ کر اس پر لگاتے ہیں، پھر امام صاحب سے ذبح کراتے ہیں، اس کے سری پائے چوراہے پر دفن کرتے ہیں، گوشت پکا کر کھلاتے ہیں اور وہ بکری کالی کے نام کی ذبح کرتے ہیں، اس بکری کا کھانا کیسا ہے؟

جواب یہ فعل سخت گناہ، قریب شرک ہے اور اس بکری کا کھانا حرام ہے، وہ بالکل مردار ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۰، ص ۸۵)

دریا کے نام پر ذبح کرنا

مسئلہ کوئی چیز بغیر حکم خداوندی کے نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، دریا کا زمین کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی حکم خداوندی کے تحت ہے، پس دریا کے نام پر یا دریا کے لیے بکرا ذبح کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دریا بکرا لے کر خوش ہو جائے گا، اور ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا، یا حضرت خضر علیہ السلام کے لیے بکرا ذبح کرنا، اس اعتقاد سے کہ وہ خوش ہو کر زمین کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، ناجائز ہے، ایسا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں ہے، اس فعل سے بچنا چاہئے، اس عقیدہ سے توبہ واجب ہے، ہاں! اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا کہ وہ دریا کے نیز اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھے درست، نافع اور مستحسن ہے، اور نقصان سے بچنے کے لیے حسب مقدرت اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات کرنا بھی مفید اور موجب ثواب ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۵، ص ۲۸۹)

غیر اللہ کی نیاز کا حکم

سوال بزرگوں کے مزارات پر جو نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہے، ان بزرگوں کو خوش کرنے کے لیے، کہ ان پر مرغ وغیرہ ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب جو عوام بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز مانتے ہیں اور مزارات پر چڑھاوے

چڑھاتے ہیں، وہ سخت گنہگار ہیں اور وہ نذر حرام ہے، اس کا کھانا بالکل ناجائز ہے، اور مرغ وغیرہ جو جانور بزرگوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں، وہ بالکل مردار ہے، اگر نذر مانتے وقت بزرگوں کے نام کی نذر مانی جائے؛ لیکن اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے، وہ بھی حرام ہے۔ (اگر ذبح اللہ کے لیے اور ثواب میت کے لیے کیا جائے تو جائز ہے)

مسئلہ وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے بارے میں یہ اعلان اور شہرت دیدی گئی ہو کہ یہ غیر اللہ کے واسطے ہیں خواہ وہ غیر اللہ بت ہوں یا خبیث روح، جیسا کہ بت وغیرہ کے نام پر بھوگ چڑھاتے ہیں اور خواہ وہ روح کسی ایسے جن کی ہو جو کسی مکان پر مسلط ہو اور خواہ بغیر اس جانور کے بھینٹ چڑھائے وہ جن اس گھر کے رہنے والوں سے دست بردار نہ ہو، اور ایسے ہی کسی پیر پیغمبر کے واسطے کوئی زندہ جانور موسوم کر دیا جائے یہ سب شکلیں حرام ہیں، اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ''جو شخص کسی جانور کو ذبح کر کے غیر اللہ کا تقرب کرنا چاہے وہ ملعون ہے'' خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے یا نہ لے؛ کیونکہ وہ جانور غیر اللہ کی طرف منسوب ہو ہی چکا ہے اور اس نسبت کی وجہ سے اس میں ایسی برائی پیدا ہو گئی جو مردار کی برائی سے کہیں زیادہ ہے؛ کیونکہ مردار میں صرف یہی برائی ہے کہ اس کی موت بغیر اللہ کے نام لیے ہوئے واقع ہوئی ہے اور اس جانور کی جان اس غیر خدا کے لیے مقرر کر کے لی گئی ہے، جو عین شرک ہے اور جب یہ برائی اس میں سرایت پذیر ہو گئی تو اب خدا کا نام لینے سے یہ حلال نہیں ہو سکتا، جیسا کہ کتا اور سؤر اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال نہیں ہو جاتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۱۶)

مسئلہ غیر اللہ کے نام جو نیاز دی جاتی ہے، اگر اس سے مقصود اس بزرگ کی روح کو ایصال ثواب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو صدقہ کیا جائے اس کا ثواب اس بزرگ کو بخش دینا مقصود ہو تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر محض اس بزرگ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے نام کی نذر و نیاز دی جائے، تاکہ وہ خوش ہو کر ہمارے کام بنائے تو یہ ناجائز اور شرک ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۲۰)

بکری کسی زندہ یا مردہ کے نام کرنا

سوال ایک بکری کسی زندہ یا وفات شدہ کے نام کر دیں اور پھر اس کو ذبح کریں تو

اس کا کھانا جائز ہے؟ یا ایسا کہے کہ میرا یہ فلاں کام ہو گیا تو میں یہ بکری اس بزرگ کے نام پر ذبح کروں گا؟

جواب بکری کسی بزرگ کے نام کر دینے سے اگر یہ مراد ہے کہ اس صدقہ کا ثواب اس بزرگ کو پہنچے، تو ٹھیک ہے اور اس بکری کا گوشت حلال ہے؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کی گئی ہو، اور اگر اس بزرگ کے نام چڑھاوا مقصود ہو تو یہ شرک ہے اور وہ بکری حرام ہے، اِلَّا یہ کہ نذر ماننے والا اپنے فعل سے توبہ کر کے اپنی نذر سے باز آ جائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۱)

منت کا پورا کرنا واجب ہے

سوال میری والدہ بیمار تھیں، میں نے منت مانی تھی کہ آپریشن ٹھیک ہونے پر سو نفل نماز پڑھوں گا؛ مگر میں نے ٹھیک ہونے پر ۴۸ نفل پڑھے باقی نہیں، کیا کروں؟

جواب اگر آپ کی والدہ صاحبہ کا آپریشن ٹھیک ہو گیا تھا تو سو نفل آپ کے ذمہ واجب ہو گئے، اپنی منت کو پورا کرنا واجب ہے؛ اس لیے باقی بھی پڑھ لیجیے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۷)

مسئلہ اگر منت ماننے والا نفل کی تعداد بھول جائے کہ کتنے قبول لے تھے، تو حافظے پر زور ڈال کر یاد کیا جائے، جتنے نفلوں کا خیال غالب ہو، اتنے پڑھ لیے جائیں، اور نفل ہی پڑھنا واجب ہوگا، ان کی جگہ صدقہ دینے سے وہ منت پوری نہیں ہوگی۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۷)

مسئلہ جس کام کے لیے آپ نے منت مانی تھی اگر وہ پورا نہیں ہوا تو منت لازم نہیں ہوئی، اگر آپ نے یوں کہا تھا کہ اتنے روزے رکھوں گا یا اتنا صدقہ دوں گا، تب تو کام پورا ہو جانے کی صورت میں آپ کو اتنے ہی روزے رکھنے ہوں گے، اور صدقہ دینا ہوگا، اور اگر تعداد یاد نہیں تو غور و فکر کے بعد جو مقدار ذہن میں آئے اس کو پورا کرنا ہوگا، اور اگر یوں کہا تھا کہ کچھ روزے رکھوں گا یا کچھ صدقہ دوں گا تو اب اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۴)

صدقہ کی امانت گم ہوگئی

سوال میری بہن نے مجھ کو چار سو روپے بکرا صدقہ کرنے کے لیے دیئے؛ لیکن اتفاق سے وہ روپے میری جیب سے کہیں نکل گئے، تو کیا ایسی صورت میں صدقہ ہوگیا یا نہیں؟

جواب آپ کے ذمہ ان پیسوں کا ادا کرنا لازم نہیں، اگر آپ کی بہن نے نفلی صدقہ کے لیے دیئے تھے تو ان کے ذمہ کچھ لازم نہیں، اور اگر نذر مانی تھی تو ان کے ذمہ نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص۴۲۴)

رسومات کیا ہیں؟

مسئلہ جتنی رسمیں دنیا میں آنے کے وقت سے مرتے دم تک کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر؛ بلکہ تمام رسمیں اسی قسم سے ہیں جو بڑے بڑے سمجھدار اور عقلمند لوگوں میں طوفان عام کی طرح پھیل رہی ہیں، جن کی نسبت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس میں گناہ کی کونسی بات ہے؟ مرد اور عورتیں جمع ہوتے ہیں، کچھ کھانا پلانا ہوتا ہے، کچھ دینا دِلانا ہوتا ہے، کوئی ناچ نہیں رنگ نہیں، راگ باجہ نہیں، پھر اس میں شرع کے خلاف ہونے کی کیا بات ہے، جس سے روکا جائے؟

اس غلط گمان کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ عام دستور ورواج ہو جانے کی وجہ سے عقل پر پردے پڑ گئے ہیں؛ اس لیے ان رسموں کے اندر جو خرابیاں اور باریک برائیاں ہیں، وہاں تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی، جیسے کوئی نادان چھوٹا بچہ مٹھائی کا مزہ اور رنگ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے اور اس نقصان اور خرابیوں پر نظر نہیں کرتا جو اس کے کھانے سے پیدا ہوں گی، جن کو ماں باپ ہی سمجھتے ہیں اور اسی کی وجہ سے اس کو روکتے ہیں اور وہ بچہ اُن خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

حالانکہ ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں وہ ایسی زیادہ باریک اور پوشیدہ بھی نہیں؛ بلکہ ہر شخص ان رسموں کی وجہ سے پریشان اور تنگ ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اگر یہ رسمیں نہ ہوتیں تو بہت ہی اچھا ہوتا؛ لیکن یہ دستور پڑ جانے کی وجہ سے سب خوشی خوشی کرتے ہیں

اور یہ کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ سب کو ایک دم سے چھوڑ دیں؛ بلکہ طرہ یہ کہ سمجھاؤ تو اُلٹے ناخوش ہوتے ہیں۔

ہر مسلمان مرد وعورت کو لازم ہے کہ ان سب بیہودہ رسموں کے مٹانے پر ہمت باندھے اور دل و جان سے کوشش کرے کہ ایک رسم بھی باقی نہ رہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بالکل سادگی سے سیدھے سادھے طور پر کام ہوا کرتے تھے، اسی کے موافق اب پھر ہونے لگیں، اور جو بھی مرد وعورت یہ کوشش کریں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''سنت کا طریقہ مٹ جانے کے بعد کوئی زندہ کر دیتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے'' کیونکہ ساری رسمیں تمہارے ہی متعلق ہیں اس لیے تم اگر ذرا بھی کوشش کرو گے تو بڑی جلدی اثر ہوگا، انشاء اللہ۔ (بہشتی زیور: ج۶، ص۷)

شادی میں بھات دینا

سوال بھانجی کو شادی کے موقع پر سامان ماموں اپنی ہمت کے موافق دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب بھانجی وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنا امر مباح؛ بلکہ مستحسن ہے؛ لیکن جس طرح پر ہندوستان میں بھات دینے کا رواج ہے وہ محض ہندوانہ رسم اور نمائش ہے اور اصل مقصود جو صلہ رحمی ہے، اس کا ذہن میں تصور تک نہیں؛ بلکہ نام ونمود کی امید اور لوگوں کی طعن وتشنیع اور برادری میں ناک کٹنے کے خوف سے دیا جاتا ہے، اگر پاس موجود نہ ہو تو قرض لے کر دیا جاتا ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے، اگر امورِ مذکورہ نہ ہوں؛ بلکہ محض صلہ رحمی کی نیت سے کوئی دے تب بھی چونکہ عام رواج پڑ چکا ہے؛ اس لیے اس طرز پر نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ شادی سے (کافی) پہلے یا کسی دوسرے وقت ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جس چیز کی ضرورت ہو بلا ریا کاری اور بغیر کسی کو اطلاع کیے ہوئے دیدے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۴۳)

مسئلہ عوام میں مشہور ہے کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح نہ کیا جائے، کیونکہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہوتا، یہ بالکل غلط اور من گھڑت ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کا نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ہی ماہِ شوال میں ہوا ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۶۲)

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا

مسئلہ دولہا کو کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کو کلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں، پڑھ دیا جائے تو بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۱۳۱)

مسئلہ شادی بیاہ کے موقع پر لوگ تاریخ رکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہینہ کی ۳/ ۱۳/۲۳ تاریخ نہ ہونا چاہئے اور باقی تاریخ کوئی بھی ہو جائیں، یہ رواج شرعاً بے اصل ہے، اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲، ص ۱۹۱)

مایوں اور مہندی کی رسموں کا حکم

مسئلہ "مایوں بٹھانے" کی رسم کی کوئی شرعی اصل نہیں، ممکن ہے جس شخص نے یہ رسم جاری کی ہو، اس کا مقصد یہ ہو کہ لڑکی کو تنہا بیٹھنے، کم کھانے اور کم بولنے؛ بلکہ نہ بولنے کی عادت ہو جائے اور اس کو سسرال جا کر پریشانی نہ ہو، بہر حال اس کو ضروری سمجھنا اور محارم شرعی تک سے پردہ کرا دینا، نہایت بے ہودہ بات ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ رسم لڑکی کے حق میں "قیدِ تنہائی" بلکہ زندہ در گور کرنے سے کم نہیں۔ تعجب ہے کہ روشنی کے زمانہ میں تاریک دور کی یہ رسم خواتین اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور کسی کو اس کی قباحت کا احساس نہیں ہوتا۔

مسئلہ مہندی کی رسم جن لوازمات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، یہ بھی دورِ جاہلیت کی یادگار ہے جو بظاہر بڑی معصوم نظر آتی ہے؛ مگر درحقیقت بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے، اس کو بند کر دینا چاہئے، بچی کے مہندی لگانا تو برائی نہیں ہے؛ لیکن اس کے لیے تقریبات کا منعقد کرنا اور لوگوں کو دعوتیں دینا، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا شوخی انگیز اور بھڑکیلے لباس پہن کر بے محابا ایک دوسرے کے سامنے جانا بے شرمی و بے حیائی کا مرقع ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۳۲)

سہرا باندھنا

مسئلہ شادی وغیرہ کے موقع پر سہرا باندھنا ہندانہ رسم ہے جو کہ ہندوستان کے بے علم یا بے عمل مسلم خاندانوں میں بھی ان کے اختلاط (ملنے جلنے کی وجہ) سے باقی رہ گئی ہے، اس کو چھوڑنا لازم ہے، ہندستان کے اکابر علماء کرام حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ومفتی کفایت اللہ صاحبؒ ومولانا خلیل احمد صاحبؒ اور مولانا تھانویؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث "من تشبه بقوم فهو منهم" کی رو سے اس کو منع فرمایا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ص ۱۵۵، ج ۱، وص ۱۹۷، ج ۲)

سندور ومہندی لگانا

مسئلہ عورتوں کا سر کی مانگ (بالوں) میں سندور لگانا بھی اسی حکم میں شامل ہے (یعنی یہ غیر مسلموں کے اختلاط کی وجہ سے مسلم عورتوں میں آ گیا ہے) بلکہ کچھ بڑھ کر ہے، عورتوں کو مہندی لگانا درست ہے؛ بلکہ ان کے لیے مخصوص ہے کہ ہاتھ پیروں کو مہندی لگائیں، مردوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں لعنت فرمائی گئی ہے۔ لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء."

(مشکوٰۃ شریف، فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۵۵)

مسئلہ مسلمان عورتوں کا مانگ میں سندور اور پیشانی پر بندی لگانا، یہ غیر مسلم عورتوں کا شعار ہے، اس سے بچنا لازم ہے، ہرگز اس کو اختیار نہ کریں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۲۹۴)

سال گرہ منانا

مسئلہ رسم "سال گرہ" یہ خالص غیر اقوام کا طریقہ اور انہی کی رسم ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ مذکور طریقہ (بچہ کی تاریخ پیدائش پر کیک کاٹنا اور جتنے سال کا بچہ ہے اتنی ہی موم بتیاں جلا کر بجھوانا وغیرہ) سے اجتناب کریں، ورنہ اس کی نحوست سے ایمان خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۷، ص ۷۷ و فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۳۶۰ و آپ کے

مسائل: ج۸،ص۱۲۷)

مسئلہ چالیس روزہ بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانے کی رسم کی بھی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، یہ قابل ترک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰،ص۸۲)

مسئلہ ایک شخص خود سالگرہ نہیں مناتا، لیکن اس کا کوئی قریبی عزیز سالگرہ میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تو اس میں شرکت نہیں کرنی چاہئے؛ کیونکہ فضول چیزوں میں شرکت بھی فضول ہے۔

مسئلہ تحفہ دینا اچھی بات ہے؛ لیکن سالگرہ کی بناء پر دینا بدعت ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۲۷)

مسئلہ سالگرہ منانا اور قسم قسم کے خرافات کرنا سب شریعت کے خلاف ہے، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

مسئلہ نئے عیسوی سال کی آمد پر خوشی منانا عیسائیوں کی رسم ہے اور مسلمان جہالت کی وجہ سے مناتے ہیں (جو کہ جائز نہیں ہے) (آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۲۹)

روزہ کشائی کی رسم کا حکم

سوال ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب بچے کو پہلا روزہ رکھواتے ہیں تو افطار کے وقت اس کے گلے میں ہار پہناتے ہیں، کھانے پکا کر دوست واحباب کو کھلاتے ہیں تو کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟

جواب اس رسم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا دین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے؛ بلکہ ثواب نہ بھی سمجھے تو بھی اس کا ترک لازم ہے؛ کیونکہ یہ ایسی رسم بن چکی ہے جس کی قباحت اہل عقل پر ظاہر ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۷۱)

مسئلہ نومولود بچے کی پیدائش پر اسے تحفہ دینا تو بزرگانہ شفقت کے زمرے میں آتا ہے؛ لیکن اس کو ضروری اور فرض و واجب کے درجہ میں سمجھ لینا اور اس کو بچے کی نیک بختی کی علامت تصور کرنا غلط اور جاہلانہ تصور ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۴۱)

بسم اللہ خوانی کی تقریب کرنا

سوال یہاں پر بچہ کی بسم اللہ خوانی کا رواج ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ ایسے موقع پر دعوت وغیرہ کی جاتی ہے تو اس کو قبول کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کسی بزرگ وصالح شخص سے بسم اللہ کرادی جائے اور کچھ غرباء واحباب کو کھلا پلا دیا جائے، تاکہ بچہ کی تعلیم میں برکت ہو تو درست ہے؛ مگر تکلفات وریاء وفخر سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷، ص۲۶۲)

مسئلہ آج کل بسم اللہ کے لیے چار سال کی رسم بھی مسلمانوں میں بہت رائج ہے، حدیث وقرآن میں اس (چار سال کی عمر کی) کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ (اغلاط العوام: ص۸۱)

مسئلہ رسومات میں سے ایک بسم اللہ کی بھی رسم ہے جو بڑے اہتمام اور پابندی کے ساتھ لوگوں میں جاری ہے، مثلاً بچہ کا چار سال اور چار مہینے اور چار دن کا ہونا اپنی طرف سے مقرر کرلیا جو محض بے اصل اور لغو ہے اور پھر اس کی اتنی پابندی کہ چاہے کچھ ہو اس کے خلاف نہ ہونے پائے، اور جاہل لوگ تو اس کو شریعت کی بات ہی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے عقیدہ میں خرابی اور شریعت کے حکم میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا (یا سمجھنا) ہے، اصل تو یہ ہے کہ جب بچہ بولنے لگے تو اس کو کلمہ طیبہ سکھاؤ، پھر کسی دیندار بزرگ متبرک کی خدمت میں لے جاکر بسم اللہ کہلا دو اور اس نعمت کے شکریہ میں اگر دل چاہے تو بلا پابندی کے جو توفیق ہو چھپا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خیرات کردو، لوگوں کو دکھلا کر ہرگز مت کرو۔

مسئلہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب بچے کی زبان کھلنے لگتی ہے تو گھر والے اس سے ابا، اماں، بابا وغیرہ کہلاتے ہیں، اس کی جگہ اگر اللہ اللہ سکھلائیں تو کیسا اچھا ہو۔

(بہشتی زیور: ج۶، ص۱۶)

عید مبارک کہنا

سوال آج کل عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد "عید مبارک" کہنے کا عام رواج ہے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

جواب شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اس کا التزام ہونے لگا ہے؛ اس لیے مکروہ ہے، اور اگر ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔

۱۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یوم عید کی سنتیں اور مستحبات کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اگر "عید مبارک" کہنا مستحب ہوتا تو وہ اسے بھی ضرور ذکر فرماتے۔

۲۔ اگر یہ کہنا مستحب ہوتا تو علماء وصلحاء کا اس پر تعامل ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، صرف عوام میں یہ رسم ہے۔

۳۔ مطلقاً دعاء برکت مستحب ہے اور الفاظ مخصوصہ کا التزام بدعت ہے، اگر عید کے روز دعاء کو مقصود سمجھ کر کچھ کہہ دیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ عید کی برکات عطا فرمائیں، مبارک فرمائیں، برکت دیں وغیرہ، تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ہمیشہ ہر موقع پر لفظ "عید مبارک" ہی کا استعمال اس کی دلیل ہے کہ ان الفاظ ہی کو مقصود سمجھا جانے لگا ہے؛ لہٰذا یہ دین پر زیادتی ہونے کی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۸۴)

(مقصد یہ ہے کہ "عید مبارک" کہنے کو مسنون یا ثواب سمجھ کر نہ کہے اور اس لفظ کو ضروری نہ سمجھے؛ بلکہ متفرق دعائیہ جملہ استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں ہے)

عیدی مانگنا

مسئلہ عیدی مانگنا (یعنی عیدین کے دن اپنے بڑوں سے زبردستی پیسے لینا) تو جائز نہیں؛ البتہ خوشی سے بچوں کو، ماتحتوں کو، ملازموں کو، ہدیہ دیدیا جائے تو بہت اچھا ہے؛ مگر اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے اور نہ اس کو سنت تصور کیا جائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۲۶)

لباس پہننے کی رسم

مسئلہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ عمامہ باندھنے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور بعض بیٹھے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ نیا جوتا اور نیا کپڑا پہننے سے اس کے ذمہ حساب ہو

جاتا ہے؛ لیکن ماہِ رجب سے رمضان کے آخری جمعہ تک پہنچے ہو تو بے حساب ہو جاتا ہے، یہ سب غلط ہے، غیر شرعی باتیں ہیں۔ (اغلاط العوام: ص ۱۴۹)

سجادہ نشینی کی رسم

مسئلہ ایک رسم یہ ہے کہ جب کسی شیخ (پیر) کا انتقال ہو جاتا ہے تو (یہ حماقتیں ہوتی ہیں کہ) اس کے مریدوں نے جمع ہو کر اس کے کسی بیٹے کو یا کسی خادم کو سجادہ نشین کر دیا اور سند کے لیے دستار بندی کر دی خواہ اس میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ جو لوگ ابھی خود اس راستے سے ناآشنا ہیں ان کی اجازت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے؟ یاد رکھنا چاہئے کہ جتنے لوگ ایسے رسمی سجادہ نشیں سے بیعت ہوں گے ان سب کی گمراہی کا وبال اس سجادہ نشین کے برابر ان اربابِ جلسہ کو بھی مل جائے گا کہ یہ لوگ بانی ضلالت ہوئے، حدیث شریف میں علاماتِ قیامت میں سے آیا ہے کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے۔ (اصلاح الرسوم: ص ۱۴۰)

حجاج کرام کی دعوت اور ہدیہ کا لین دین کرنا

مسئلہ اس قسم کے رسم و رواج جاری رہیں تو رحمت کے بجائے زحمت اور بجائے نعمت کے نقمت بن جائے گا، برا ہو ایسی رسومات کا جو رحمت کو زحمت بنا دے۔ یہ (رسومات) سوائے فضول خرچی کے کچھ نہیں؛ لہٰذا ان تمام رسومات کو ختم ہی کرنا چاہئے، ان کو ختم کرنے میں لوگوں کے لیے بڑی سہولتیں ہیں، رسمی لین دین کی فکر نہ ہوگی تو آپس میں ملنا ملانا بھی پورے اخلاص کے ساتھ ہوگا، ممکن ہے کہ اس رسمی لین دین کی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے ملنے ملانے اور دعاؤں کی درخواست کرنے سے محرومی رہے، غرض ان رسومات کی پابندی میں بڑی زحمتیں اور خلاف شریعت امور کا ارتکاب ہے، اور جن حضرات کو حج کی سعادت نصیب ہو رہی ہے وہ علی الاعلان لوگوں اور رشتہ داروں سے کہہ دیں، رسمی لین دین کی پابندی نہ کریں اور اس کی بالکل فکر نہ کریں، اور جو لوگ ان رسومات کو ختم کریں گے، انشاء اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، آئندہ بھی جو لوگ اس پر عمل کریں گے، انشاء اللہ ان کو ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۱۸۳ بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ص ۳۳)

میت والے گھر عید کے دن کھانا بھیجنا

مسئلہ عید کے روز میت والے کے گھر کھانا بھیجنے کا دستور غلط اور قابل ترک ہے، میت کے گھر کھانا بھیجنا پہلے دن مسنون ہے، اس کے بعد خصوصاً عید کے دن کھانا بھیجنے کی رسم کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، غیروں کا ہوسکتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۶، ص۲۷۳)

تبرکات کی زیارت کرانا

مسئلہ کہیں کہیں جبہ شریف یا بالِ مبارک شریف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بزرگ کا مشہور ہے، اس کی زیارت کے لیے یا تو اسی جگہ جمع ہوتے ہیں یا اُن لوگوں کو گھروں میں بلا کر زیارت کراتے ہیں، اور زیارت کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔

اول تو ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں ہے، اور اگر سند بھی ہو تب بھی جمع ہونے میں بہت خرابیاں ہیں، مثلاً شور غل، اور بے پردگی اور کہیں کہیں تو زیارت کرنے والوں کا گانا وغیرہ، ہاں اگر اکیلے میں تبرکات کی زیارت کرلے اور زیارت کے وقت کوئی خلافِ شرع بات نہ کرے تو درست ہے۔

نوٹ: جس چیز کو شرع نے ناجائز کہا ہے اس کو جائز سمجھنا گناہ ہے اور جس کو جائز بتلایا ہو؛ مگر ضروری نہ کہا ہو اس کو ضروری سمجھ کر پابندی کرنا یا نام کمانے کے لیے کرنا یہ بھی گناہ ہے، اسی طرح جس کام کو شرع نے ثواب نہیں بتلایا، اس کو ثواب سمجھنا گناہ ہے اور جس کو ثواب بتلایا ہو؛ مگر ضروری نہ کہا ہوا، اس کو ضروری سمجھنا گناہ ہے، اور جو شخص ضروری تو نہ سمجھے؛ مگر عوام کے طعن کے خوف سے اس کے چھوڑنے کو برا سمجھے یہ بھی گناہ ہے، اسی طرح کسی چیز کو منحوس جاننا گناہ ہے، اسی طرح بغیر شرع کی سند کے کوئی بات تراشنا اور اس کا یقین کرلینا گناہ ہے، نیز خدا کے سوا کسی سے دعاء مانگنا یا ان کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا، یہ سب گناہ کی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے بچائے، (آمین) یہ سب گُر بتلا دیئے ہیں، اگر ان کا خیال رکھو گے تو سب رسموں کا حال معلوم ہو جائے گا، اور دھوکہ نہ ہوگا۔ (بہشتی

زیور: ج ٦، ص ٦٢، اصلاح الرسوم: ص ١٥٦)

عقیقے کی رسموں کا بیان

عقیقہ کیسے کریں؟

مسئلہ جس کے کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے کہ ساتویں دن اس کا نام رکھ دے اور عقیقہ کر دے، عقیقہ کر دینے سے بچہ کی سب بلائیں دور ہو جاتی ہیں اور آفتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

مسئلہ عقیقہ کا یہ طریقہ ہے کہ اگر لڑکا ہو تو دو بکرے یا دو بھیڑ اور اگر لڑکی ہو تو ایک بکری یا ایک بھیڑ، یا قربانی کے حصہ میں دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ اور سر کے بال کی برابر بال کٹوا کر سونا یا چاندی تقسیم کر دے (یا پیسے) اور اگر دل چاہے تو بچے کے سر پر زعفران لگا دے۔

مسئلہ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرے تو جب کرے تو ساتویں دن ہونے کا خیال کرنا بہتر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو، اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے، یعنی اگر جمعہ کو پیدا ہوا ہو تو جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو پیدا ہوا ہو تو بدھ کے دن کر دے، چاہے جب کرے وہ حساب سے ساتواں دن پڑے۔

مسئلہ یہ جو بعض جگہ دستور ہے کہ جس وقت کہ بچہ کے سر پر اُسترا رکھا جائے اور بال کٹنے شروع ہوں فوراً اسی وقت بکرا وغیرہ ذبح کیا جائے، یہ محض مہمل رسم ہے، شریعت سے سب جائز ہے، چاہے سر کے بال اترنے کے بعد ذبح ہو یا ذبح کر لے تب سر کے بال اتاریں۔

مسئلہ جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس کا عقیقہ بھی درست نہیں ہے اور جس کی قربانی درست ہے، اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔

مسئلہ عقیقہ کے گوشت کے بارے میں مرضی (یعنی یہ اختیار) ہے چاہے کچا گوشت تقسیم کر دے، چاہے پکا کر بانٹے، چاہے دعوت کر کے کھلا دے، سب درست ہے

مسئلہ عقیقہ کا گوشت باپ، دادا، دادی، نانا نانی وغیرہ سب کو کھانا درست ہے۔

مسئلہ اگر کسی کو زیادہ توفیق نہیں اس لیے اس نے لڑکے کی طرف سے ایک ہی بکرا (یا ایک ہی حصہ کا) عقیقہ کیا تو اس کا بھی کچھ حرج نہیں ہے اور اگر بالکل عقیقہ ہی نہ کرے تو بھی حرج نہیں ہے۔ (بہشتی زیور: ج ۳، ص ۴۳)

ملاحظہ: یہ باتیں تو ثواب کی ہیں باقی جو فضولیات اس میں نکالی گئی ہیں اس سے بچنے اور پرہیز رکھنے کے قابل ہیں؛ کیونکہ رسموں کی پابندی کی مصیبت میں کبھی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ موقوف رکھنا پڑتا ہے اور مستحب کے خلاف کیا جاتا ہے؛ بلکہ ان رسومات کی وجہ سے بسا اوقات عقیقہ کئی کئی سال بعد ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے احقر کی مرتب کردہ کتاب، مسائل عیدین وقربانی)

ختنوں کی رسمیں

مسئلہ ختنہ میں بھی خرافات، رسمیں لوگوں نے نکال لی ہیں، جو بالکل خلاف عقل اور لغو ہیں، مثلاً لوگوں کو آدمی یا خط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا، یہ سنت کے خلاف ہے، کیونکہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ کو کسی نے ختنہ میں بلایا، تو آپؓ نے تشریف لے جانے سے انکار کر دیا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ تو کبھی ختنہ میں نہ جاتے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا مشہور کرنا ضروری نہ ہو، اس کے لیے لوگوں کو بلانا، جمع کرنا سنت کے خلاف ہے، اس میں بہت سی رسمیں آ گئی ہیں جن کے لیے لمبے چوڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں، مثلاً بعض جگہ ان رسموں کی بدولت ختنہ میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ لڑکا بڑا ہو جاتا ہے اور سب جمع ہونے والے اس کا بدن دیکھتے ہیں، حالانکہ صرف ختنہ کرنے والے کے علاوہ اوروں کو اس کا بدن دیکھنا حرام ہے، اور یہ گناہ اس بلانے اور دیر میں کرنے کی وجہ سے ہوا، اصل تو یہ ہے کہ جب بچے میں برداشت کی قوت دیکھیں چپکے سے نائی، ختنہ کرنے والے کو بلا کر ختنہ کرا دیں۔ (بہشتی زیور: ج ۶، ص ۱۵)

ختنوں کی دعوت کرنا

مسئلہ ختنہ کے وقت لوگوں کو دعوت دینا یہ خود ہی بدعت ہے، حضرت عثمانؓ بن

العاص کو کسی نے ختنہ میں شرکت کے لیے بلایا، آپؓ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی ختنہ میں نہ جاتے تھے“ اور اس دعوت کو اتنا ضروری سمجھنا کہ ختنہ کو بلوغ تک ملتوی کیا جائے، یہ الگ گناہ ہے۔

(امداد المفتیین: ج۱، ص۲۱)

مسئلہ ختنہ کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، بچہ کی طاقت پر منحصر ہے، اگر اس میں طاقت ہو تو جلدی کردیں ورنہ بالغ ہونے تک تاخیر کر سکتے ہیں۔ (رفاہ المسلمین: ص۲۱)

مسئلہ جس کے یہاں شادی یا ختنہ میں رسوم بدعات موجود ہوں اس کے یہاں (دعوت میں) ہرگز شریک نہ ہو، نہ اس کے مکان میں نہ دوسرے کے مکان میں (بعض مرتبہ اپنے مکان میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے کا مکان لینا پڑتا ہے) اگر گھر پر کھانا بھیج دے تو خوف فتنہ کا نہ ہو تو نہ لیوے، اور اگر نہ لینے کے اندر فساد ہو تو دفع فساد کے سبب سے لے لینا چاہئے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۶۳)

مسئلہ ختنہ وغیرہ کے وقت اگر رسم کے طور پر لازم سمجھ کر مسجد میں کچھ دیا جائے تو نہ لیا جائے، اگر خوشی کے طور پر امام یا مؤذن کو کچھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں، جس کو دیا جائے وہ اس کا ہی حق ہے، اگر مسجد کے لیے کوئی چیز دی جائے تو وہ مسجد کا ہی حق ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۴۰۱)

مسئلہ شادی و ختنہ کی خوشی کے موقع پر لڑکے کو اچھے عمدہ کپڑے پہنانا حدود شرع میں رہتے ہوئے، درست ہے، ہار گلے میں نہ ڈالیں، سہرا بھی نہ باندھیں، پٹکہ جو کہ ہندوانہ رسم ہے، اس سے بھی پرہیز کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷، ص۴۶۳)

مسئلہ یہ غلط ہے کہ بغیر ختنہ کے نکاح درست نہیں ہوتا ہے، یہ جاہلوں کی باتیں ہیں، بغیر ختنہ کے نکاح درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم قدیم: ج۱، ص۱۹)

قرآن کریم کا شہید ہو جانا

مسئلہ یہ عادت بہت شائع ہے کہ اگر نعوذ باللہ قرآن کریم کی بے ادبی ہو جائے (گر جائے) تو اس کے برابر تول کر اناج خیرات کرتے ہیں، اس میں اصل مقصود تو مستحسن و قرین مصلحت ہے کہ بطور کفارہ اور جرمانہ کے صدقہ دیا جاتا ہے، اس میں نفس کا

بھی انتظام ہے کہ آئندہ احتیاط رکھے؛ لیکن دو باتیں اس میں قابل اصلاح ہیں، ایک تو یہ کہ قرآن کریم کو ترازو میں اناج کے برابر کرنے کے لیے رکھتے ہیں، دوسرا یہ کہ اس کو واجب شرعی سمجھتے ہیں (جبکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے) البتہ اگر ایسا کریں کہ محض مصلحت مذکورہ کی بناء پر تخمینہ سے غلہ وغیرہ دیدیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۷۵)

مسئلہ بعض بے علم لوگ جمعہ کے دن عید واقع ہونے کو نامبارک سمجھتے ہیں، یہ خیال بالکل باطل ہے؛ بلکہ اس میں تو دو برکتیں جمع ہو جائیں گی۔ (اغلاط العوام: ص ۱۸۸)

(الحمد للہ جس وقت یہ مسئلہ نقل کیا جا رہا ہے، تین دن پہلے جمعہ کو ہی عید ہوئی ہے، یعنی یکم شوال ۱۴۲۳ھ مطابق ۶/ دسمبر ۲۰۰۲ء یوم جمعہ۔ رفعت قاسمی)

کھانے کے بعد کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا کیا مسنون ہے؟

مسئلہ ہر مسنون اور مستحب دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں ہے، یعنی کھانا کھانے کے بعد کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں، طواف کرتے وقت دعاء مسنون ہے؛ مگر اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے، نماز کے اندر بھی دعاء ہوتی ہے، سوتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، مجامعت کے وقت، بیت الخلاء میں جاتے اور نکلتے وقت دعاء ثابت ہے؛ مگر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اسی طرح کھانا کھانے کے بعد کی دعاء میں بھی ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۵۴، بحوالہ مراقی: ص ۱۸۵، واحسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۶۶)

حائضہ کے ہاتھ کی چیزیں کھانا

مسئلہ مشہور ہے کہ زچہ جب تک غسل نہ کرے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درست نہیں، یہ بھی غلط ہے، حیض ونفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے۔

مسئلہ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ چلے کے اندر زچہ خانہ (پیدائش کی جگہ) میں خاوند کو نہ جانا چاہیے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ عام عورتیں زچگی (پیدائش کے دنوں) میں چالیس روز تک نماز پڑھنا جائز

نہیں سمجھتیں، اگر چہ پہلے ہی پاک ہو جائیں، یہ بات بالکل دین کے خلاف ہے، چالیس دن نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے، باقی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں، جس وقت بھی پاک ہو جائے غسل کر کے فوراً نماز شروع کر دے۔

مسئلہ اسی طرح اگر چالیس دن میں بھی خون بند نہ ہو تو چالیس دن کے بعد پھر اپنے آپ کو پاک سمجھ کر غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ (اغلاط العوام: ص ۴۶)

دعائے گنج العرش، دعائے قدح وغیرہ پڑھنا

سوال پنج سورہ (جو تقریباً ہر مسجد میں پایا جاتا ہے) اس میں دعائے گنج العرش اور دعائے قدح وغیرہ ہے، اس کا شرعی ثبوت کیا ہے؟ بعض علماء اس کے پڑھنے سے روکتے ہیں؛ کیونکہ گنج العرش کا ثبوت صحاح ستہ یا کسی اور صحیح حدیث سے نہیں ہے، پنج سورہ میں دعائے گنج العرش کے متعلق لکھا ہے کہ دعاء حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ بطور وحی نازل ہوئی ہے، اور اس دعاء کے بڑے فضائل بتلائے ہیں؛ لہٰذا مندرجہ ذیل امور کے متعلق صحیح رہنمائی فرما دیں۔

۱۔ کیا دعائے گنج العرش کا ثبوت صحیح احادیث سے ہے یا نہیں؟

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں یہ دعاء پڑھی یا کسی صحابیؓ کو سکھلائی ہے؟

۳۔ اگر اس کا ثبوت صحیح احادیث سے نہ ہو تو آج تک جو لوگ بغرض ثواب اس دعاء کا وِرد کرتے رہے ان کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرما کر مہربانی فرما دیں۔

جواب باسمہ تعالیٰ حامدًا و مصليًا و مسلمًا.

(۱،۲،۳) مذکورہ ادعیہ کی روایات کو موضوع لکھا گیا ہے، کسی معتمد و مشہور محدث نے ان روایات کی تصدیق نہیں کی؛ لہٰذا ان ادعیہ کو مستند سمجھنا اور لکھے ہوئے فضائل کو صحیح جان کر پڑھنا غلط ہے، قرآنِ کریم کی تلاوت اور احادیث میں وارد شدہ ذکر و اذکار، درود شریف، پہلا، تیسرا اور چوتھا کلمہ، استغفار حصن حصین، حزب الاعظم، مناجات مقبول وغیرہ جو علمائے کرام کے معمولات میں رہتا ہے اس پر اکتفاء کرنے میں بھلائی، برکت اور

ہدایت ہے۔

دعائے قدح کے متعلق جو روایت پنج سورہ میں ہے وہ بھی موضوع ہے؛ لہٰذا اسے مستند اور صحیح نہ سمجھنا چاہئے، اور اس کے مطابق عمل بھی نہ کیا جاوے، قرآن کریم کی تلاوت اللہ سے قرب حاصل کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، احادیث میں قرآن کریم اور اس کی تلاوت کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت اور اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی لوگ سعی نہیں کرتے اور غیر مستند اشیاء لے کر بیٹھ جاتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت ہمہ تن متوجہ ہو کر شوق سے خوب کی جائے اور معاً ذکر اللہ پہلا، تیسرا، چوتھا کلمہ، استغفار اور درود شریف وغیرہ مستند دعائیں بھی پڑھتے رہنا چاہئے،

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال نورنامہ، عہدنامہ، دعاء گنج العرش، درود تاج، درود لکھی کی اصلیت کیا ہے؟ ان کی تعریفات درست ہیں یا مبالغہ؟ دوسرے ان کا ثبوت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا لوگوں نے خود تالیف کیا ہے؟ ان کے پڑھنے کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

جواب ان کی کوئی سند صحیح ثابت نہیں، جو تعریفیں لکھی ہیں، بے اصل ہیں، بجائے ان کے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے، درود شریف، کلمہ شریف اور استغفار پڑھا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۲۹۴)

ختم خواجگان کا اجتماعی طور پر دوامی معمول بنانا

سوال بعض جگہ ختم خواجگان اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ہمیشہ پڑھنا بدعت و مکروہ نہ ہوگا؟ بینوا توجروا

جواب اس سلسلہ کا ایک سوال احقر نے حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ (مظاہر علوم سہارنپور) سے کیا تھا، مفتی یحییٰ صاحب نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے اس کا جواب املاء فرمایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوال و جواب ہی نقل کر دیا جائے، انشاء اللہ اس سے آپ کے سول کا جواب ہو جائے گا۔

سوال ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان کا معمول ہے اور جو حضرات ان

سے متعلق ہیں ان میں سے بعض اپنے مقام پر عمل پیرا ہیں ، اسی طرح سورۂ یٰسین شریف کا اجتماعی ختم ہو کر اس کے بعد اجتماعی دعاء ہوتی ہے، اس پر شرح صدر نہیں ہے، آپ کو تو اس کے جواز کے دلائل معلوم ہی ہوں گے، تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، وجہ اشکال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو فتاویٰ رحیمیہ ۳۰۶، ۳۰۷ جلد اول میں بحوالہ ازالۃ الخفاء، الاعتصام اور مجالس الابرار مذکور ہے، بعض حضرات نے فتاویٰ رحیمیہ کے مطالعہ کے بعد اشکال کیا کہ آپ کے فتاویٰ رحیمیہ میں یہ لکھا ہوا ہے اور سہارنپور، دہلی وغیر مقامات پر ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان اور ختم سورۂ یٰسین شریف کا معمول ہے، کیا یہ عمل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واقعہ کے خلاف نہیں ہے؟ اور یہ التزام مالا یلزم نہیں ہے؟ دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟ اگر یہ علاجاً یا دفع آفات کے لیے تجویز کیا گیا ہے تو علاج یا آفات وقتی چیز ہے، جس طرح قنوتِ نازلہ ہنگامی حالات میں پڑھا جاتا ہے، اس پر مداومت نہیں ہوتی، اسی طرح یہاں بھی ہونی چاہئے۔ فقط والسلام بینوا توجروا

جواب حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

دو چیزیں ہیں، ایک تو مداومت اور ایک اصرار، دونوں کا حکم الگ الگ ہے، امر مندوب پر مداومت قبیح نہیں ہے، فقہاء نے امر مندوب پر اصرار کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اصرار یہ ہے کہ کسی عمل کو ہمیشہ کیا جائے اور نہ کرنے والے کو گنہ گار سمجھا جائے، اس کی تحقیر و تذلیل کی جائے، تو یہ مکروہ ہے، اگر امر مندوب پر مداومت ہو اصرار نہ ہو تو مندوب مندوب ہی رہتا ہے، مثلاً کوئی شخص وضو کے بعد تحیۃ الوضو پڑھتا ہے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتا اور نہ پڑھنے والوں کو گنہ گار نہیں سمجھتا اور ان کو ملامت نہیں کرتا، تو اس میں کوئی کراہت نہیں، اب جو اعمال علاجاً کیے جائیں یا کسی سبب کی وجہ سے کیے جائیں تو جب جب علاج کی ضرورت ہوگی یا وہ سبب پایا جائے گا اس عمل کو کیا جائے گا۔

قنوتِ نازلہ اول تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، روزانہ نمازِ فجر میں پڑھا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتلائے عام کے وقت اجازت دی ہے، اس کا سبب ابتلائے عام ہے؛ لہٰذا جب تک ابتلائے عام رہے گا، اس کو پڑھا جائے گا اور جب یہ سبب ختم ہو جائے گا نہیں پڑھا جائے گا۔

ختم خواجگان حصول برکت کے لیے پڑھا جاتا ہے، مشائخ کا مجرب عمل ہے کہ اس

کی برکت سے دعاء قبول ہوتی ہے اور کون سا وقت ایسا ہے کہ برکت کی خواہش نہیں ہوگی؛ لہٰذا جب اس کا مقصد حصول برکت ہے تو جب جب حصول برکت کی خواہش ہوگی اس کو پڑھا جائے گا اور ہر وقت برکت کی خواہش ہوتی ہے اس لیے مداومت کرتے ہیں؛ مگر اصرار نہیں کرتے ہیں، فقط۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۵، ۲۷۶)

سوا لاکھ کے ختم کا ثبوت

سوال دفع مصائب اور کسی کی وفات پر کلمہ طیبہ یا آیت الکرسی پڑھی جاتی ہے جس کی تعداد سوا لاکھ کی متعین ہے، اس پر کیا دلیل شرعی ہے؟ اور کیا تعداد متعین کرنا بدعت ہے؟

جواب دفع مصائب کے لیے جو ختم شریف پڑھا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے، اس کے لیے قرآن و حدیث سے ثبوت ضروری نہیں ہے، صرف اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے منافی و معارض یعنی شرعاً ممنوع و مذموم نہ ہو، جیسا کہ غیر شرعی رقیہ ممنوع ہے، ایسے ہی ختم میں جو تعداد متعین ہے وہ ایسی نہیں جیسی رکعتِ نماز کی تعداد یا طواف کعبہ کے چکر کی تعداد ہے کہ اس کے لیے صراحۃً ثبوت ضروری ہے؛ بلکہ وہ ایسی ہے جیسے حکیم نسخہ میں لکھتے ہیں کہ عناب ۵ دانہ، بادام سات دانہ کہ یہ تجربات سے ثابت ہیں، اس کے لیے قرآن و حدیث سے ثبوت طلب کرنا بے محل ہے اور جب اس ختم کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے، تعداد کا تجربہ متعین کر دینا خلاف شرع نہیں ہے، علاج کے لیے سات کنوئیں کا پانی سات مشکوں میں منگانا تو خود حدیث شریف سے ثابت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۲، ص۱۲۳)

مصائب کے وقت سورۂ یٰسین کا ختم کرنا

سوال دفع مصائب و بلیات اور حصولِ برکات کے لیے یٰسین شریف کا ختم بزرگوں کا مجرب عمل ہے؛ لہٰذا جب تک مصائب ہوں، بطور عمل اور بطور علاج اس کا ختم کیا جا سکتا ہے، اسے مسنون طریقہ اور شرعی حکم نہ سمجھا جائے اور جو لوگ ختم میں شریک نہ ہوں ان پر کسی طرح کا طعن نہ کیا جائے اور نہ ان کی طرف سے بدگمانی کی جائے۔ (فتاویٰ

رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۷۰)

مسئلہ ختم خواجگان حصولِ برکت کے لیے پڑھا جاتا ہے، مشائخ کا مجرب عمل ہے، اس کی برکت سے دعاء قبول ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۷، ص۴۷۶)

دریا میں صدقہ کی نیت سے پیسے ڈالنا

سوال دریا کے پلوں سے گزرتے ہوئے مسافر پانی میں روپے پیسے بہا دیتے ہیں، کیا یہ عمل صدقہ کی طرح دافع بلا ہے؟

جواب یہ صدقہ نہیں؛ بلکہ مال کو ضائع کرنا ہے؛ اس لیے یہ ثواب کا کام نہیں ہے؛ بلکہ موجب وبال ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۱۲۹)

مکان کی بنیاد میں خون ڈالنا

مسئلہ نیا مکان بناتے وقت بنیادوں میں بکرے کو کاٹ کر خون ڈالنا اور گوشت غریبوں میں تقسیم کرنا یا سونا و چاندی بنیادوں میں ڈالنا، ان سب کی کوئی شرعی اصل نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۱۲۸)

نئے مکان یا دکان کی خوشی کرنا

مسئلہ مٹھائی تقسیم کرنا، نئے مکان کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں؛ مگر شیرینی وغیرہ میں کچھ تفاخر و نمائش کا رنگ نہ آنے پائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷، ص۳۴۴)

مسئلہ شکرانہ میں فقراء کو صدقہ دینا اور احباب کو کھلانا سب کچھ درست اور باعثِ خیر و برکت ہے، خواہ کھیت (و باغ وغیرہ) پر ہو، بکرا ذبح کر کے ہو یا گوشت خرید کر ہو۔
(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷، ص۴۰۲)

(بعض جگہ مشرکین فصل کی پیداوار کے وقت بکرا وغیرہ ذبح کر کے پوجا پاٹ کرتے ہیں، اگر یہ شکل ہو تو پھر کھیت وغیرہ کے بجائے گھر پر ہی یا گھر سے پکوا کر دعوت کی جائے، تا کہ غیر مسلم کے مشابہ نہ ہو) (رفعت قاسمی)

چیچک میں تدابیر کرنا

سوال مرض چیچک میں مریض کے گلے میں چھاؤ کی وجہ سے سونا باندھنا اور گھر والوں کو اس زمانہ میں کپڑے نہ بدلنے دینا، یا کپڑے بدل کر مریض کے گھر نہ جانا، یا باہر سے آئے ہوئے کو فوراً مریض کے پاس نہ جانے دینا اور گوشت وغیرہ نہ پکانا وغیرہ یہ سب شرعاً کیسا ہے؟

جواب اگر تجربہ کار حکیم بتلائے کہ ایسے مریض کو گوشت کی بو یا دھلے ہوئے کپڑے کی بو مضر ہے، تو اس سے پرہیز کی بناء پر علاجاً احتیاط کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن غیر مسلموں کے اس عقیدہ کے ماتحت ان چیزوں سے بچنا کہ ماتا جی ہے اور وہ ان (مذکورہ) چیزوں سے ناراض ہوتی ہے (یعنی چیچک) جیسا کہ اسی عقیدہ سے ہندو اس کی بہت خاطر، مدارات کرتے ہیں اور پوجتے ہیں، یہ ناجائز اور منع ہے، یہ اہل اسلام کا عقیدہ نہیں، خلافِ شرع امور سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۶،ص۷۷)

مسئلہ طاعون و چیچک سے تحفظ کے لیے علاج کے طور پر انجکشن لگوانا جیسے اور جائز تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، یہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷،ص۳۶۰)

پوجا کے لیے چندہ دینا

سوال میرے دفتر میں ہر جمعرات کو غیر مسلم حضرات پوجا کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں، اگر نہ دیں تو دشمن بن جائیں گے، نیز پوجا کی مٹھائی کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر پیسے دیئے بغیر چھٹکارہ نہیں تو جو لوگ مانگتے ہیں ان کو مالک بنانے کی نیت سے دیدیں، پھر وہ اپنی طرف سے جہاں چاہے خرچ کریں، اور مٹھائی وغیرہ بھی اگر لینا ضروری ہو تو اس کو لے لیں پھر کسی جانور وغیرہ کو کھلا دیں، پوجا اور چڑھاوے کی مٹھائی وغیرہ نہ کھائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷،ص۴۸۲)

ملاحظہ: اگر کسی مجبوری سے چندہ دینا پڑ جائے تو اس کو چاہیے کہ جو شخص چندہ لینے کے لیے آئے اس کو دینے کی نیت سے چندہ دیدے، وہ جہاں چاہے خرچ کرے، براہِ راست پوجا وغیرہ کے لیے نہ دے، یعنی لینے والے کو رقم کا مالک بنادے۔ (رفعت قاسمی)

غیر مسلم کے تہواروں کی مبارک بادی دینا

مسئلہ غیر مسلموں کے تہوار کے دن ان کو مبارک باد دینے یا خط وغیرہ کے ذریعہ سے بھیجنے میں، اگر کوئی جملہ شرکیہ و کفریہ کا نہیں کرتا تو گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

(نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۴۸)

غیر مسلم کے تہوار ہولی میں شرکت کرنا

مسئلہ جب قبر پرستی اور تعزیہ داری میں شریک ہونا اور حصہ لینا جائز نہیں تو ہولی میں شریک ہونا اور عملاً حصہ لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ (یعنی جائز نہیں ہے) اور ہولی کے (لکڑیوں کے چٹے جلانے کے) اردگرد چکر لگانا، سجدہ کرنا، ناریل وغیرہ چڑھانا قطعاً حرام اور مشرکانہ فعل ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱، ص ۱۵، وفتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۲۶۹)

مسئلہ قرآن کریم میں 'انا للّٰہ و انا الیہ راجعون' کا پڑھنا، مصیبت کے وقت بتایا گیا ہے، اگر کوئی شخص کسی غیر مسلم کے مرنے کو بھی اپنے حق میں مصیبت سمجھتا ہے تو واقعی اس دعاء کو پڑھے؛ مگر حدیث شریف میں تو یہ آیا ہے کہ فاجر کے مرنے سے اللہ کی زمین اور اللہ کے بندے راحت پاتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۳۰۵)

سورج گہن اور حاملہ عورت

سوال ہمارے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ گہن کے وقت حاملہ عورت یا اس کا خاوند کوئی کام نہ کرے کاٹنے وغیرہ کا، ورنہ اولاد جب ہوگی تو کوئی نہ کوئی حصہ کٹا ہوا ہوگا، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب حدیث شریف میں اس موقع پر صدقہ وخیرات، توبہ واستغفار، نماز اور دعاء کا حکم ہے، دوسری باتوں کا ذکر نہیں؛ اس لیے ان کو شرعی چیز سمجھ کر نہ کیا جائے، یہ توہم پرستی ہے، جو غیر مسلم معاشرے سے ہمارے یہاں منتقل ہوئی ہے۔ ہاں! اگر حکیم و ڈاکٹر وغیرہ تجربات کی روشنی میں کچھ بتائیں تو الگ بات ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۲۲۵)

مسئلہ مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہن کے وقت کھانا پینا منع ہے، اس کی بھی

کوئی اصل نہیں ہے؛ البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے؛ اس لیے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے، رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار؛ بلکہ گناہ تک (کے افعال) تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے، یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۸۹)

بسم اللہ کے بجائے ۷۸۶ تحریر کرنا

مسئلہ ۷۸۶، بسم اللہ شریف کے عدد ہیں، بزرگوں سے اس کے لکھنے کا معمول چلا آتا ہے، غالباً اس کو رواج اس لیے ہوا کہ خطوط عام طور پر پھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں، جس سے بسم اللہ کی بے ادبی ہوتی ہے، اس بے ادبی سے بچانے کے لیے غالباً بزرگوں نے بسم اللہ شریف کے اعداد لکھنے شروع کیے؛ البتہ اگر بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو تو بسم اللہ شریف ہی لکھنی چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۳۴۸)

مسئلہ بسم اللہ کے بدلے ۷۸۶ لکھنے پر بسم اللہ کا ثواب نہیں ملے گا، یہ تو بسم اللہ کا عدد ہے جن سے اشارہ ہوسکتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ج ۱۸، ص ۳۵)

مسئلہ بعض لوگ "السلام علیکم" کے بجائے خط میں سلام مسنون لکھ دیتے ہیں، اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ "بعد سلام مسنون عرض ہے" تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں ہے؛ بلکہ "السلام علیکم" ہے؛ اس لیے اس صیغہ یعنی "سلام مسنون" کا جواب دینا واجب نہ ہوگا، اگر چہ سلام مسنون لکھنا جائز ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ بعض اکابر نے خطوط میں جو بطور سلام، سلام مسنون لکھا ہے، وہ اس لیے ہے کہ انہوں نے مخاطب پر جواب واجب کرنے سے احتیاط فرمائی، جیسے چھینکنے پر الحمد للہ آہستہ کہنے، یا آیت سجدہ کو کھلی آواز سے نہ پڑھنے کی تعلیم فرمائی، تاکہ دوسروں پر واجب نہ ہو۔ (اغلاط العوام: ص ۱۳۱)

غمی کی تقریبات اور ضیافتیں

مسئلہ موت جو غم کا موقع ہوتا ہے اس موقع پر تیجہ، دہم، چہلم، ششماہی، برسی وغیرہ کیا جاتا ہے، اور بڑے اہتمام سے اسے ادا کیا جاتا ہے، دعوتیں دی جاتی ہیں، اگر اپنی گنجائش نہ ہو تو قرض لے کر بھی ان رسوم کو ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس میں

شرکت کرنے والے اس طرح شرکت کرتے ہیں، جیسے شادی کی تقریب ہو، خاص کر عورتیں زرق برق لباس کا اہتمام کرتی ہیں، یہ سب چیزیں بدعت اور ناجائز ہیں۔

مسئلہ کچھ پڑھ کر، یا غرباء کو کھانا کھلا کر، یا کچھ دے کر ایصال ثواب اور میت کے لیے دعائے مغفرت یقیناً ثابت ہے، اور میت کے لیے ایصال ثواب بلاشک وشبہ جائز؛ مگر اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کرے یا کوئی بدنی عبادت، نوافل، روزہ، قرآن مجید کی تلاوت، درود شریف وغیرہ پڑھ کر جس کو چاہے بخش دے یا اہل میت اپنے خاص اعزہ واقرباء، دوست احباب کو خبر دے کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کریں اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر یا خیرات کر کے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کریں۔

فقیہ حافظ الدین ابن شہاب کردری (المتوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں:

و یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانھا ایام غم، فلا یلیق فیھا ما یختص باظھار السرور و ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا،

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ج ۶، ص ۳۷۹، کتاب الکراہیۃ فصل ۹)

ترجمہ: ”ایام مصیبت میں دعوت کرنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ غم کے دن ہیں، جو کام اظہار خوشی کے لیے مخصوص ہوں وہ ان ایام کے لائق نہیں، اور اگر غرباء کے لیے کھانا تیار کرے تو بہتر ہے۔“

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

جواب اموات کو ثواب پہنچانا مستحسن ہے، عباداتِ مالیہ وعباداتِ بدنیہ دونوں کا ثواب پہنچتا ہے؛ لیکن ایصالِ ثواب کے لیے شریعت مقدسہ نے جو صورتیں مقرر نہیں کیں، ان کو مقرر کرنا اور ایصالِ ثواب کی شرط سمجھنا یا مفید جاننا بدعت ہے، شرعی صورت اس قدر ہے کہ اگر کسی میت کو ثواب پہنچانا ہے تو کوئی بدنی عبادت کرو، مثلاً نماز پڑھو، روزہ رکھو، قرآن مجید کی تلاوت کرو، درود شریف پڑھو وغیرہ، اور اس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو اس کو اس طرح پہنچاؤ کہ ”یا اللہ! میں نے جو نماز پڑھی ہے یا روزہ رکھا ہے یا تلاوت کی ہے یا درود شریف پڑھا ہے اس کا ثواب اپنے فضل ورحمت سے فلاں میت کو پہنچا دے“ اسی طرح اگر عباداتِ مالیہ کا ثواب پہنچانا ہے تو جو میسر ہو اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ

کرو، یا مسجد بنواؤ، کنواں بنواؤ، سرائے، مسافر خانہ تعمیر کرو، دینی مدرسہ قائم کرو وغیرہ، اور مذکورہ بالا طریقے پر خدا تعالیٰ سے دعاء کرو کہ وہ ان چیزوں کا ثواب اس میت کو پہنچا دے جسے تم پہنچانا چاہتے ہو، یہ تو ایصالِ ثواب کا شرعی طریقہ ہے، اب اس کے لیے کوئی خاص تاریخ یا دن معین کرنا اور اس تعیین کو وصول ثواب کی شرط یا زیادت ثواب کے لیے بغیر شرعی دلیل کے مفید سمجھنا یا خاص چیزیں مقرر کرنا یا خاص مقام مثلاً خاص قبر پر صدقہ کرنے کی تعیین یا مردے کے جنازے کے ساتھ لے جانے کو ضروری یا مفید سمجھنا اور بھی اکثر امور جو رسم ورواج کے طور پر قائم ہو گئے ہیں، یہ سب خلاف شریعت اور بدعت ہیں۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی بے اصل ہے، اگر کھانے کا صدقہ کرنا مقصود ہے تو صدقہ کر دو، کسی مستحق کو دیدو، اگر تلاوت قرآن مجید یا درود کا ثواب پہنچانا ہے تو وہ بھی کرو؛ مگر دونوں کا ثواب پہنچنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہی پڑھا جائے، یہ اشتراط نہ شریعت سے ثابت ہے اور نہ معقول؛ کیونکہ کھانے پر فاتحہ دینے والے بھی کپڑے یا پیسے کا ثواب پہنچانا چاہتے ہیں تو اس پر وہ بھی فاتحہ نہیں پڑھتے، الغرض ایصالِ ثواب فی حد ذاتہ جائز اور مستحسن ہے؛ لیکن اس کی اکثر مروّج صورتیں ناجائز اور بدعت ہیں۔" (کفایت المفتی: ۱۱۲،۱۱۳ ج ۴، کتاب الجنائز)

آپ کا دوسرا فتویٰ: "ایصالِ ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے؛ مگر اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کر دے یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نماز نفل، نفل روزہ، تلاوت قرآن مجید کرے اور اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے بخش دے، اس میں کسی دن اور تاریخ یا کسی معین چیز کی تخصیص اور تعین نہ کرے، نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے، تیجہ اور دسواں اور چہلم ان تخصیصات کی وجہ سے اور ان کو مستقل رسم قرار دے لینے کی وجہ سے بدعت ہیں، ان کی بطور رسم ادائیگی موجب ثواب ہی نہیں پھر ایصالِ ثواب کہاں؟

(کفایت المفتی: ج ۴، ص ۱۲۲، کتاب الجنائز)

الغرض تیجہ، دسواں، بارہواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی، یہ اسلامی تقریبات نہیں ہیں، غیر اقوام کی ہمسائیگی اور تقلید کا نتیجہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۳۹۴ تا ص ۳۹۷)

مزارات پر عرس اور قوالی

مسئلہ زیارت قبور یقیناً مسنون ہے، مزارات سے عبرت حاصل کرنا، دعاء مغفرت اور فاتحہ خوانی کے لیے جانا اور بخشانا یہ سب جائز ہے، منع نہیں ہے؛ لیکن رسمی عرس جسے شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال وفات کے دن اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے، یہ ناجائز اور بدعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ اہل کتاب کا (یعنی غیروں کا) رواج ہے، اگر اسلامی حکم اور دینی امر ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کرتے، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عرس کیا جاتا، حالانکہ حدیث سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **لا تجعلوا قبری عیدًا**" کہ میری قبر کو عید (تہوار) مت بناؤ، (مشکوٰۃ شریف: ص۸۶) یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ میں جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر جمع نہ ہونا۔

عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص طور پر ہوتی ہیں (۱) تاریخ متعین کرنا (۲) اجتماع (۳) خوشی منانا؛ لہٰذا اس حدیث سے مزاروں پر ایک متعین تاریخ پر جمع ہونے اور خوشی منانے کی ممانعت ثابت ہوئی، چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **لا تجتمعوا لزیارته اجتماعکم للعید، فانه یوم لهو و سرور، و حال الزیارة بخلافه، و کان داب اهل الکتاب فاورثهم القسوة**" یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لیے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے؛ کیونکہ عید کا دن تو کھیل اور خوشی (اور کھانے پینے) کا دن ہے، اور زیارتِ قبر کی شان تو اس سے علیحدہ ہے (زیارت کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہے، موت اور آخرت کو اور اپنے انجام کو یاد کرنا ہے) قبر پر عرس منانے کا رواج اہل کتاب کا ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کا دن یا تاریخ متعین نہیں ہے، سال کے درمیان کتنے ہی عشاق آتے رہتے ہیں اور زیارت کر کے اجر و ثواب سے مالا مال ہوتے ہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر عرس

اور اجماع نہیں، تو دیگر بزرگانِ دین کے مزاروں پر کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اسی لیے بزرگانِ دین، محدثین اور فقہاء کرام نے صریح الفاظ میں رواجی عرس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے۔(فتاوی رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۰۹)

قاضی ثناء اللہؒ صاحب پانی پتی اپنی کتاب تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ ''جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں پر جمع ہونا جس کو ''عرس'' کا نام دیتے ہیں، یہ سب امور ناجائز ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۱۹)

مسئلہ عورتوں کو مزار پر جانے کی ممانعت اور مردوں کو خاص عرس کے موقع پر نہ جانے کی ہدایت کی وجہ، اعتقادی اور عملی خرابی ہے۔ (مردوں کو) عرس کے بعد جانا چاہئے، کیونکہ میلوں میں بدعات امور نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے پر قابو نہیں رکھتے اور اولیاء اللہ کے دربار (مزار) میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت ہے۔ (خلاصۂ فتاوی رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۰۹ وفتاوی رشیدیہ: ص ۵۵۵)

مسئلہ بزرگوں کے مزار پر عرس کرنا، چادریں چڑھانا اور ان سے منتیں مانگنا بالکل ناجائز اور حرام ہے، بزرگوں کے عرس کے رواج کی بنیاد غالباً یہ رہی ہوگی کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد ان کے مریدین ایک جگہ جمع ہو جایا کریں اور کچھ وعظ ونصیحت ہو جایا کرے؛ لیکن رفتہ رفتہ یہ مقصد تو غائب ہو گیا اور بزرگوں کے جانشین باقاعدہ استخوان فروشی کا کاروبار کرنے لگے اور ''عرس شریف'' کے نام سے بزرگوں کی قبروں پر سینکڑوں بدعات ومحرمات اور خرافات کا ایک سیلاب امڈ آیا اور جب قبر فروشی کا کاروبار چمکتا دیکھا، تو لوگوں نے (بعض جگہ) جعلی قبریں بنانا (بھی) شروع کر دیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۱۶)

مسئلہ چہلم وبرسی وغیرہ کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور دوسرے حضراتِ سلف اس کو نہ چھوڑتے؛ کیونکہ وہ تو ہر نیک کام کے عاشق تھے؛ مگر کسی ایک ضعیف روایت میں بھی اس کا ثبوت ان حضرات سے نہیں ہوتا؛ بلکہ حضرات علماء نے ان کے بدعت وناجائز ہونے کی تصریحات کی ہیں؛ البتہ اہل میت کی تعزیت وتسلی کے لیے ان کے پاس جانا، قرآن شریف پڑھ کر یا

کچھ کھانا وغیرہ کھلا کر میت کو ثواب بخشنا ثواب ہے، بشرطیکہ معین تاریخوں میں نہ ہو اور نام و نمود کے لیے نہ ہو۔ (امداد المفتیین: ج۱،ص۱۱)

مسئلہ بعض لوگ قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، چونکہ اس سے مقصود اولیاء اللہ کا تقرب اور ان کی رضا مندی ہوتی ہے، اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں، (اس لیے) یہ اعتقاد شرک ہے اور چڑھاوا کھانا بھی جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ"

مسئلہ بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مقصود اصلی مساکین کو دینا ہے، چونکہ لوگ (غرباء قبر پر) جمع ہوتے ہیں؛ اس لیے وہاں پر لے جاتے ہیں؛ مگر یہ محض حیلہ ہے؛ کیونکہ اگر وہی مساکین اس شخص کو راستہ میں مل جائیں اور سوال کریں، تو ہرگز ان کو اس چڑھاوے میں سے ایک ذرّہ بھی نہ دے، اور یہی جواب ملے کہ جہاں کے لیے لائے ہیں وہاں تو ابھی پہنچا نہیں" اس سے معلوم ہوا کہ قبر مقصود ہے، مساکین مقصود نہیں، پھر وہاں پر پہنچ کر دیسے بھی تو مساکین کو تقسیم کر سکتے ہیں (سامان، مٹھائی، کھانا وغیرہ کو) تو پھر قبر پر رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ (اصلاح الرسوم: ص۱۲۵)

مسئلہ نفس ایصالِ ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتبِ حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً جمعرات کی پابندی ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے، اسی طرح کسی تاریخ کی پابندی، مثلاً ۱۱ر ربیع الاول، ۱۵ر شعبان، ۱۰ر محرم وغیرہ کی پابندی ثابت نہیں، یہ بدعت ہے، اسی طرح کسی جگہ کی ہیئت وغیرہ کی پابندی بھی بدعت ہے، اور نیز اسی طرح کسی چیز کی پابندی مثلاً حلوہ، کھچڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے، اسی طرح کسی جگہ کی ہیئت وغیرہ کی پابندی بھی بدعت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۲۲۰ وامداد الاحکام: ج۱، ۲۰۶)

قبروں پر سجدہ کرنا

مسئلہ اسی طرح قبر پر سُجدہ کرنا حرام ہے، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں فرماتے تھے لَعَنَ اللّٰهُ اليهود والنصارٰى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد یعنی: اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ

انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (بخاری شریف ج ۱، ص ۱۷۷، کتاب الجنائز، باب یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، ومشکوٰۃ شریف ص ۶۹، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

نیز حدیث میں ہے: **عن جندبؓ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: الا و ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم و صالحیھم مساجد، انی انھاکم عن ذٰلک" رواہ مسلم،** حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپؐ فرماتے تھے: سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، میں تم کو اس سے روکتا ہوں (کہ تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا) (مشکوٰۃ شریف: ص ۶۹)

ایک اور حدیث میں ہے: **عن عطاء بن یسارؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اشتدّ غضب اللّٰہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد** یعنی: حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کو پوجا جائے (جس کی عبادت کی جائے یعنی سجدہ کیا جائے) اللہ کا غضب بھڑکتا ہے اس قوم پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔" (مشکوٰۃ شریف: ص ۷۲، باب المساجد)

ایک اور حدیث میں ہے: **عن قیس بن سعد** الخ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ گیا، وہاں میں نے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے۔ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو دیکھا تھا وہ بیان کرکے اپنا خیال ظاہر کیا کہ آپؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ارایتَ لو مررتَ بقبری اکنتَ تسجد لہٗ؟ فقلت: لا! فقال: لا تفعلوا، لو کنت آمر احدًا ان یسجد لاحدٍ، لامرتُ النساء ان یسجدنَ لازواجھنَّ لما جعل اللّٰہ لھم علیھنَّ من حقٍ۔ رواہ ابوداؤد۔** یعنی: دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرتے تو کیا تم اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا: ہرگز نہیں، تو فرمایا: پھر (زندگی میں بھی سجدہ) نہ کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ

کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے مردوں کا ان پر رکھا ہے۔

(مشکوۃ شریف: ص۲۸۲، باب عشرۃ النساء)

نیز ایک حدیث میں ہے: ایک موقع پر ایک اونٹ نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو حیوانات اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم" تم اپنے رب کی عبادت کرو (یعنی سجدہ عبادت ہے اور عبادت کے لائق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے) ہاں! تم اپنے بھائی کا اکرام کرو، **عن عائشة رضی اللّٰه عنها ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان فی نفر من المهاجرین و الانصار، فجاء بعیر فسجد له، فقال اصحابه: یا رسول اللّٰه! تسجد لک البهائم و الشجر، فنحن احق ان تسجد لک، فقال: "اعبدوا ربّکم و اکرموا اخاکم" و لو کنت امر احدًا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها** الخ

(مشکوۃ شریف: ص۲۸۳، باب عشرۃ النساء)

ان احادیث مبارکہ میں غور فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے متعلق قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدت سے تھا اور کس قدر سختی سے اس کی ممانعت فرمائی؟ جس قبر کو سجدہ کیا جائے اسے بت قرار دے کر سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی اور اسے غضبِ الٰہی کے بھڑکنے کا سبب فرمایا۔

قبر پر سجدہ کے متعلق بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ "مالابدمنہ" میں فرماتے ہیں:

"انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر سجدہ کرنا اور قبروں پر طواف کرنا اور ان سے دعاء مانگنا اور ان کے نام کی نذر ماننا حرام ہے؛ بلکہ ان میں سے بعض چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنا لینا" (یعنی جس طرح کفار بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اس طرح میری قبر کے ساتھ معاملہ نہ کرنا) (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۲۱۴ تا ۲۱۶)

قبروں کا طواف کرنا

مسئلہ مزارات پر حاضر ہو کر قبروں کا طواف اور سجدے کیے جاتے ہیں، آستانے چومے جاتے ہیں، یہ افعال بھی شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ شرح مناسک کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

سوال قبر کے گرداگرد تین مرتبہ پھرنے سے، طواف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یا مشرک یا فاسق ہوتا ہے؟

جواب قبر کے اردگرد تین مرتبہ پھرے یا تین سے کم یا زائد شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور ایسا مرتکب جو حرام پر مصر ہو فاسق ہو جاتا ہے اور اگر جائز و مستحب سمجھ کر کسی نے طواف کیا ہو، تو یہ موجبِ کفر ہے۔ ملا علی قاریؒ کی شرح مناسک میں ہے: **ولا یطوف** الخ نہ طواف کرے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مطہرہ کے اِردگرد نہ پھرے؛ اس لیے کہ طواف کعبہ مقدسہ کے لیے مخصوص ہے، پس انبیاء و اولیاء کی قبروں کے گرداگرد طواف کرنا حرام ہے۔ الخ (امداد المسائل ترجمہ مأتہ مسائل، ص ۷۵، ص ۷۶ وفتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۱۳)

قبروں پر چراغ جلانا

مسئلہ قبروں پر چراغ جلانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے؛ بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے؛ لہٰذا یہ حرام ہے، حدیث میں ہے: **عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: "لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج" رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی.** (مشکوٰۃ شریف: ص ۷۱، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں، اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں، اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ حنفی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لیے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع

کرنا ہے، کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں اور اس لیے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبر سے دور رکھنا چاہئے) یا یہ ممانعت قبروں کی (غیر شرعی) تعظیم سے بچانے کے لیے ہے، جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۱۳)

قبروں پر پھول چڑھانا

حدیث میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو قبروں پر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور آپؐ نے کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لے کر درمیان سے اس کو چیرا اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا: امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔"

(بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۴۲، باب آداب الخلاء)

اگر حقیقت میں حدیث پر عمل ہی کرنا ہے تو کوئی سبز ٹہنی قبر پر گاڑنا چاہئے جیسا کہ دفناتے وقت تازہ شاخ گاڑی جاتی ہے، اس کو پھولوں کے ساتھ ہی کیوں خاص کر دیا گیا؟ ٹہنی بآسانی اور مفت میسر ہو سکتی ہے، پھولوں کو تو خریدنا پڑے گا، اگر یہی پیسے ایصالِ ثواب کی نیت سے غریب کو دیدیئے جائیں تو مردہ کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

معلوم ہوتا ہے پھول یا تو تقربِ میت کی نیت سے چڑھائے جاتے ہیں جس کا ناجائز اور حرام ہونا ظاہر ہے، یا صرف رسماً جس میں اضاعت مال اور تشبہ بالہنود ہے، ومسلم را تشبہ بالکفار و فساق حرام است، مسلمان کو کفار اور فساق کی تشبہ اختیار کرنا حرام ہے۔ (مالابدمنہ: ص ۱۳۱)

مسئلہ مردہ کے ایصالِ ثواب کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر یا صدقہ و خیرات کر کے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کی جائے، یہ چیز مردوں کے لیے بہت نافع ہے، اس سے ان کی روح بہت ہی خوش ہوگی، اور یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بدعتیوں کا حدیث مذکور سے استدلال سراسر باطل ہے؛ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑے تھے، پھول نہیں ڈالے تھے، پس اگر ان لوگوں کا مقصود اتباع ہوتا تو ان کو چاہئے تھا کہ یہ بھی کھجور کی

شاخ کے ٹکڑے گاڑتے نہ کہ پھول چڑھاتے، تو ثابت ہوا کہ ان کا مقصود ابتداع ہے نہ کہ اتباع۔

دوسرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل گنہ گاروں کی قبروں پر کیا تھا نہ کہ صلحاء کی قبروں پر، اب اگر ان کا مقصود اتباع ہوتا تو چاہئے تھا کہ وہ فساق وفجار کی قبروں پر پھول وغیرہ چڑھاتے؛ لیکن وہ ایسا نہیں کرتے؛ بلکہ وہ ایسے لوگوں کی قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق ان کو عذاب کا احتمال تو کیا امکان بھی نہیں ہوتا، پس ثابت ہوا کہ آپ کو اتباع مقصود نہیں؛ بلکہ ابتداع مقصود ہے، اور ان کا یہ استدلال از قبیل استنباطِ احکام نہیں؛ بلکہ از قبیل تحریف حکم ہے، اعاذنا اللہ من ذلک۔

(امداد المسائل ترجمہ مأۃ مسائل: ص ۸۴، فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۱۵)

مسئلہ بدعتیوں کا حدیث شریف سے قبروں پر پھول چڑھانے کا استدلال سراسر باطل ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر کھجور کی شاخوں کے ٹکڑے گاڑے تھے، پھول نہیں ڈالے تھے، اگر ان لوگوں کو اتباع کرنا ہوتا تو کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑتے، دوسرے یہ عمل گنہ گاروں کی قبر پر کیا تھا نہ کہ صلحاء کی قبروں پر، یہ لوگ فساق وفجار اور گنہ گاروں کی قبروں پر نہیں چڑھاتے؛ بلکہ ایسی قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق ان کو عذاب کا احتمال تو کیا امکان بھی نہیں ہوتا، پس ثابت یہ ہوا کہ ان لوگوں کو اتباع مقصود نہیں؛ بلکہ ابتداع مقصود ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۲۷)

مسئلہ نیز رہی قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی؛ بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۲۱، بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ج ۱، ص ۷۱)

مسئلہ قبر کا طواف کرنا یا بوسہ لینا (چومنا) حرام ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۴۴، واحسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۷۴، واصلاح الرسوم: ص ۱۲۲)

مسئلہ دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑک دینا جائز ہے، پھول ڈالنا خلاف سنت ہے، اور قبر پر آٹا ڈالنا مہمل بات ہے اور اگربتی جلانا مکروہ وممنوع ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۶۶)

قبروں پر چادر چڑھانا

سوال ایک شخص کہتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو قبروں پر چادر چڑھانے میں کیا حرج ہے؟

جواب حدیث شریف میں دیوار پر چادر چڑھانے کی ممانعت آئی ہے باوجودیکہ اس میں بظاہر کوئی قباحت اور ایہام شرک وغیرہ نہیں؛ لہٰذا قبروں پر چادر چڑھانا ایہام شرک وتعظیم غیراللہ کی وجہ سے بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

(ردالمحتار: ج۱،ص۸۲۹، وامداد: ج۱،ص۲۰۱)

بخلاف غلاف کعبہ کے، کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا ہے، کیونکہ اس کی تعظیم مفضی الی الشرک نہیں، اسی لیے اس کی طرف نمازوں میں استقبال ضروری ہے، اور قبور کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۷۶، وامدادالاحکام: ج۱،ص۱۸۴)

مسئلہ جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت ہے؛ لہٰذا ایسی میت کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کرنا درست ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۷۸)

مسئلہ میت کو دفن کرتے وقت قبر کے اندر کیوڑہ وغیرہ چھڑکنا ناجائز اور بدعت ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۷۱)

قبر پر اذان بدعت ہے

سوال تدفین کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے اور مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب قبر پر اذان دینا بے اصل ہے، اور سنت طریقہ کے موافق نہیں ہے، یہ گھڑی ہوئی بدعت ہے، واجب الترک یعنی اس کو چھوڑنا واجب ہے۔

مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں ہزاروں کی تعداد میں اموات ہوئیں، اور وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے مردوں کو دفناتے تھے، عذاب قبر اور شیطانی شرارتوں سے واقف تھے؛ مگر کسی قبر پر اذان دی گئی ہو اس کا ثبوت نہیں، کیا وہ حضرات

اپنے مردوں کے خیر خواہ نہیں تھے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے قبر پر اذان نہیں دی تو کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قبر پر اذان دے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قبر پر اذان بدعت ہے اور جو شخص نومولود بچے کے کان میں اذان دینے کے مندوب ہونے پر قیاس کرتے ہوئے اذان علی القبر کو سنت کہے تو اس نے غلطی کی اور یہ قیاس صحیح نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۶،ص ۲۰۶، بحوالہ شامی: ج۱،ص ۸۳۷، وفتاویٰ دارالعلوم: ج۵،ص ۳۸۲)

مسئلہ تدفین کے بعد انفرادی واجتماعی طور پر میت کے لیے دعاء مغفرت کرنے اور منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدمی کے لیے دعاء کرنے کی ترغیب ابوداؤد شریف ج۲،ص ۲۰۳ میں آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص ۱۹۶، فتاویٰ رحیمیہ: ج۶،ص ۲۰۱، و عالمگیری: ج۱،ص ۱۶۶، وفتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۴۵)

مزار پر پیسے دینا کیسا ہے؟

سوال میں جس روٹ پر گاڑی چلاتا ہوں راستہ میں ایک مزار آتا ہے، لوگ مجھ کو پیسے دیتے ہیں کہ مزار پر دیدینا، مزار پر پیسے دینا کیسا ہے؟

جواب مزار پر جو پیسے دیئے جاتے ہیں اگر مقصود اس سے وہاں کے فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے اور اگر مزار کا نذرانہ مقصود ہوتا ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، یہ تو میں نے اصول اور ضابطہ کی بات لکھی ہے؛ لیکن آج کل لوگوں کے حالات کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ عوام کا مقصد دوسرا ہے؛ اس لیے اس کو ممنوع کہا جائے گا۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص ۲۱۵)

میت کو پکارنا

مسئلہ کسی کے مزار پر جا کے خواہ وہ مزار عالم کا ہو یا کسی ولی کا ہو، یہ کہنا: اے فلاں شخص! ہمارے واسطے یہ دعاء کر کہ اس کام میں کامیاب ہو جائیں، یا یہ کہنا کہ قبر میں سے نکل اسلام کی مدد کر، یا اور اس ہی قسم کے الفاظ استعمال کرنا، پکارنا مکروہ ہے، اور اگر عقیدہ بھی خراب ہو کہ میت (صاحب مزار) کو کارخانہ خداوندی میں دخیل سمجھتا ہو تو حرام

ہے۔(امداد الاحکام: ج ۱ص ۲۲۳، وعین الہدایہ: ج ۱ص ۷۲۲)

روح کا بھٹکنا

مسئلہ بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی خودکشی کر کے مر جائے تو اس کی روح بھٹکتی پھرتی ہے، اصل روحوں میں جا کر نہیں ملتی، سو یہ بالکل غلط بے اصل بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ البتہ خودکشی کرنا بڑا گناہ ہے۔(اغلاط العوام: ص ۲۷)

مسئلہ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ جو حالت حیض میں، اور زچہ میں (پیدائش کے وقت عورت) مر جائے اس کو دو بار غسل دینا چاہیے، یہ بھی غلط ہے اور بے اصل ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۴۶)

مسئلہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب غیر مسلم کے جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھنا چاہیے فی نار جهنم خالدين فيها، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۲۱۸)

مسئلہ جنازہ کو قبرستان لے جاتے وقت اونچی اونچی نعت خوانی یا درود و کلمہ، جائز نہیں ہے، ہاں خاموشی سے دل میں کلمہ شریف پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔

(اغلاط العوام: ص ۲۱۸)

مسئلہ بعض عوام نماز جنازہ کی تکبیرات کہتے وقت آسمان کی طرف منہ اٹھایا کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے، اور بے اصل ہے۔(اغلاط العوام: ص ۲۱۶)

مسئلہ جنازہ کے ساتھ جہراً (زور سے) کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۱ص ۳۴۸)

مسئلہ دفن کے وقت میت کے، اذان کہنا بدعت ہے اور سلف سے منقول نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم قدیم: ج ۱ص ۱۹)

مسئلہ مشہور ہے کہ جو عورت حیض کی حالت میں مر جائے، ڈائن ہو جاتی ہے اور جو اس کو ملے کھا جاتی ہے، سو یہ شرک ہے۔(اغلاط العوام: ص ۲۱۶)

مسئلہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد مزید ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعاء کرنا بدعت ہے اور یہ قابل ترک ہے۔(امداد الاحکام: ج ۱ص ۱۹۵)

مسئلہ اگر کوئی (فعل) خلاف شرع نہ کیا جائے تو بوڑھی عورتوں کو زیارتِ قبور جائز ہے، جوان عورتوں کو نہ جانا چاہیے؛ کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔ (امدادالاحکام: ج۱،ص۸۱۳)

مسئلہ مشہور ہے کہ میت گھر میں ہو یا محلہ میں، اس کے لے جانے تک کھانا پینا گناہ سمجھتے ہیں، یہ بات بالکل غلط ہے، بے اصل ہے (کھانے پینے کو دل ہی کہاں چاہتا ہے اور اگر طبیعت چاہے اور بھوک لگے تو کھا سکتے ہیں منع نہیں ہے)

مسئلہ بعض عوام اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ مردے کو گھر کے برتنوں سے غسل نہ دینا چاہیے؛ بلکہ نئے برتن منگا کر اس سے غسل دے اور پھر ان برتنوں کو مسجد میں بھیج دیں، یہ بھی غلط ہے، بے اصل ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص۱۹۶)

مسئلہ بعض حضرات جہاں میت کو غسل دیتے ہیں، وہاں تین دن تک چراغ جلاتے ہیں، یہ بے اصل ہے۔ (اغلاط العوام: ص۲۱۶)

مسئلہ کفن میں یا قبر میں عہد نامہ یا کسی بزرگ کا شجرہ، یا قرآنی آیات یا کوئی دعاء رکھنا درست نہیں ہے، نیز کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی وغیرہ سے کلمۂ طیبہ وغیرہ یا کوئی دعاء لکھنا بھی درست نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص۲۰۸)

ملاحظہ: واضح رہے کہ میت کے گلنے، سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے؛ اس لیے اس کو چھوڑنا چاہیے؛ البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہ ہو، اس کا قبر میں رکھ دینا درست ہے، جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔ (رفعت قاسمی)

مسئلہ عورتوں میں جو رسم ہے کہ شوہر کے انتقال پر بیوہ کی چوڑیاں اتارنے کے بجائے توڑ ڈالتی ہیں، یہ غیر مسلموں کی رسم ہے اور مالی نقصان ہونے کی وجہ سے اسراف بھی ہے؛ اس لیے توڑی نہ جائیں؛ بلکہ اتار لی جائیں، تاکہ بیوی عدت کے بعد پہن سکے؛ البتہ اگر اتارنے میں کچھ تکلیف و دشواری ہو تو مجبوراً توڑ دی جائیں۔

(اغلاط العوام: ص۲۱۴، بحوالہ امدادالفتاویٰ)

مسئلہ مُردوں کی روح کے دنیا میں آنے کا خیال غلط ہے؛ کیونکہ جو نیک ہیں وہ تو دنیا میں آنا نہیں چاہتے اور جو بد ہیں انہیں اجازت نہیں مل سکتی ہے۔

مسئلہ بعض جاہل سمجھتے ہیں کہ اگر عورت زچہ خانہ میں (پیدائش کے دوران) مر جائے تو وہ بھوت ہو جاتی ہے، یہ بالکل غلط عقیدہ ہے (یہ ہرگز صحیح نہیں ہے) بلکہ حدیث

شریف میں آیا ہے: ایسی عورت شہید ہوتی ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۹)

مسئلہ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برأت وغیرہ میں مُردوں کی روحیں گھر میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لیے کچھ پکایا ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقلی اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا اور یہاں پر ندارد ہے؛ اس لیے یہ اعتقاد باطل ہے۔

مسئلہ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس رات میں مُردوں کو ثواب نہ بخشے تو روحیں کوستی ہوئی جاتی ہیں، یہ سب باتیں بے اصل ہیں یعنی شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۹)

مسئلہ عوام کا عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مردوں کی روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے؟ اگر کچھ ثواب مل گیا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں، یہ خیال غلط ہے اور بُرا عقیدہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۰)

قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا

مسئلہ عرس کرنا یا دن متعین کر کے لوگوں کو قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے مدعو کرنا، خیر القرون سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ اس کو بدعت ممنوعہ فرمایا گیا ہے اور شدت سے منع فرمایا گیا ہے، زیارتِ قبر کی حدیث شریف میں ترغیب آئی ہے، یہ قید نہیں کہ اپنے شہر کی قبر کی ہی زیارت کی جائے، اس کے لیے سفر کرنے کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبد الرحمٰنؓ کی قبر کی زیارت کی ہے، اور ان کی قبر مدینہ طیبہ سے فاصلہ پر ہے، حدیث شریف میں مساجد کی نیت سے سفر کرنے کو منع فرمایا گیا ہے، کہ ایک مسجد کو دوسری مسجد پر فضیلت دے کر سفر مت کرو، صرف تین مساجد ((۱) بیت المقدس (۲) بیت اللہ شریف (۳) مسجد نبوی علیہ السلام) ہیں جن کو دیگر مساجد پر فوقیت حاصل ہے، ان کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنے کی اجازت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۵۶)

اہل میت کی طرف سے دعوت کی رسم

سوال اس دعوت کے بارے میں کیا حکم ہے جو اہل میت تیار کر کے لوگوں کی دعوت کرتے ہیں، شادی کی طرح اس موقع پر بھی خویش واقارب اور احباب کا اجتماع ہوتا ہے اور اس رسم کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔

جواب یہ دعوت مروّجہ ناجائز اور بدعت ہے، چند وجوہ کی بناء پر:

۱۔ یہ حقیقت میں ہنود (غیر مسلموں) کی رسم ہے، پس اس میں تشبہ ہنود کے ساتھ ہے

۲۔ شریعت میں غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں، فقہ کی کتابوں میں تصریح موجود ہے

۳۔ اس دعوت کو لازم سمجھنا التزام مالا یلزم ہے جو ناجائز ہے۔

۴۔ دعوت پر جو رقم خرچ ہوتی ہے اس میں نابالغ یتامیٰ کا حصہ بھی ہوتا ہے، نابالغ کا مال صدقہ وخیرات میں دینا کسی صورت میں بھی روا نہیں ہے۔

۵۔ اس دعوت سے مقصود ایصالِ ثواب نہیں ہوتا؛ بلکہ ریاء ونمود مطلوب ہوتی ہے یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے جو کہ شرک اصغر ہے، اور ایصالِ ثواب مقصود نہ ہونے پر چند قرائن ہیں:

(الف) صدقہ میں اخفاء (پوشیدہ) افضل ہے، اس کے باوجود اگر اخفاء کی ترغیب ان لوگوں کو دی جائے تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(ب) صدقہ نقد کی صورت میں زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ اس میں اخفاء بھی سہل ہے اور فقراء کے لیے نافع بھی زیادہ ہے کہ جیسے ضرورت ہوگی اس نقد رقم سے پوری ہو سکے گی اور اگر کوئی فی الحال ضرورت نہیں تو نقد رقم ضرورت کے وقت کے لیے محفوظ رکھ سکتا ہے، یہ فوائد دعوت میں نہیں؛ بلکہ بعض دفعہ کھانا مضر بھی ہوتا ہے، حالانکہ نقد صدقہ سے ایصال پر کوئی راضی نہیں۔

دوسرے درجہ میں صدقہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ حاجت مند کی ضرورت کے پیش نظر اسے صدقہ دیا جائے، یعنی مریض کو دوا، مسافر کو ٹکٹ، کرایہ، راستہ کے لیے کھانا وغیرہ، بھوکے کو کھانا اور برہنہ (ننگے) کو لباس، جوتا، سردی کے موسم میں بے سروسامان کو کمبل لحاف وغیرہ، غرض کہ دفع ضرورت کا خیال رکھا جائے؛ مگر یہاں تو بہر کیف کھانا ہی کھلانا

ہے، خواہ مریض بلا دوا کے کراہ رہا ہو، برہنہ جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہو، یا شدتِ گرمی سے جلا جارہا ہو، مسافر منزل مقصود تک پہنچنے سے لاچار و مجبور ہونے کی وجہ سے پریشان ہو۔

اگر ان لوگوں کو دعوت کی بجائے صحیح طریق پر صدقہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، جو فقراء کے لیے بھی نافع ہے اور میت کے لیے بھی اور خود صدقہ کرنے والوں کے لیے بھی تو جواب ملتا ہے کہ دعوت نہ کرنے کی صورت میں برادری ناراض ہو جائے گی، ہماری ناک کٹ جائے گی۔

(ج) اگر ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی تو فقراء و مساکین کو مقدم سمجھا جاتا، حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ اقرباء و احباب کا اجتماع ہوتا ہے یا پھر صاحب اقتدار اور سرمایہ دار لوگوں کی دعوت کی جاتی ہے، فقراء تو صرف برائے نام ہی ہوتے ہیں؛ بلکہ بعض جگہ تو برائے نام بھی فقیر نہیں ہوتے، ان حالات میں اس دعوت کو کون یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ یہ ایصالِ ثواب کے لیے ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۵٦، بحوالہ ردالمحتار: ج۱، ص٦٦۴)

اہل میت کے گھر کھانا بھیجنا

مسئلہ شریعت سے صرف اتنا ثابت ہے کہ جس کے گھر میت ہو جائے اس کے پڑوسیوں اور اعزہ و اقارب کو چاہیے کہ وہ اس وقت تک، جب تک فرطِ غم والم ہو، میت کے گھر والوں کے کھانے کا انتظام کر دیں اور ان کی دلجوئی کرتے ہوئے ان کو کھلائیں پلائیں، خود اپنے یہاں لاکر یا خود میت کے گھر کھانا وغیرہ لے جاکر اور زیادہ بہتر یہی ہے اور اس دلجوئی کی غرض سے خود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ ثابت نہیں؛ بلکہ اہل میت کے یہاں مثل دعوت سرور و فرح کی دعوت لینا مکروہ ہے۔

شامی میں ہے کہ دفن کے لیے باہر سے آنے والے اگر محض اتفاق سے یا اہل میت کی دلجوئی کے لیے ان کے ساتھ کھانے وغیرہ میں شریک ہو جائیں تو گنجائش ہو سکتی ہے؛ لیکن رشتہ داروں کا دور دور سے آکر قیام پذیر ہونا اور کئی کئی دن رہنا جیسا کہ رواج ہے، خوشی کی دعوت کی طرح جمع ہونا، یہ سب مکروہ اور بدعت ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۴۷)

مسئلہ میت کے پڑوسیوں اور اعزہ و اقارب کے لیے اہل میت کو صرف ایک روز کا کھانا پہنچانا، جو دن و رات کے لیے کافی ہو جائے مستحب ہے، ایک روز سے زیادہ کھانا

بھیجنا مکروہ ہے، اس رسم میں غیر معمولی حرج اور تکلف میں غلو کے علاوہ یہ قباحت بھی ہے کہ عوام اس کو حکم شرعی سمجھتے ہوں گے یا سمجھنے لگیں گے، جو شریعت پر زیادتی اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۴۰۲، بحوالہ ردالمحتار: ج۱، ص۸۴۱)

مسئلہ میت کا گھر میں ہوتے ہوئے کھانا نہ کھانے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ خود اہل میت کے لیے بھی کھانے سے پرہیز کا شرعاً کوئی حکم نہیں، صدمہ اور عظیم غم کی وجہ سے کھانا نہ کھا سکیں تو اور بات ہے، آج کل یہ رسم بن گئی ہے اور اس کا ایسا اہتمام ہونے لگا ہے کہ میت کے گھر میں ہوتے ہوئے کھانا کھانا گناہ سمجھتے ہیں؛ اس لیے اس رسم کا ترک (چھوڑنا) واجب ہے، بتکلف کچھ نہ کچھ کھانا چاہیے، عزیز و اقارب اور پڑوسیوں پر لازم ہے کہ وہ اہل میت کو ترغیب اور اصرار سے کھلائیں۔

(احسن الفتاویٰ: ج۴، ص۲۱۴)

مسئلہ اہل میت کے گھر کھانا کھانے اور کھلانے کے لیے جمع ہونے کی یہ رسم یقیناً ناجائز ہے اور انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، اس گناہ میں کھانے والے اور کھلانے والے سب شریک ہیں؛ بلکہ قریب کے رشتہ دار بھی، اگر اس رسم کو لازم سمجھتے اور اس میں شریک نہ ہونے کو برا مانتے ہوں یا یہ کھانا اہل میت کی طرف سے ہو تو ان کے لیے بھی یہ فعل ناجائز ہو جائے گا۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۸۱، بحوالہ ردالمحتار: ج۱، ص۸۴۲)

اہل میت کی تعزیت کرنا

مسئلہ اہل میت کی تعزیت یعنی ان کی تسلی اور دلجوئی کرنا، صبر کی تلقین و ترغیب دینا، اس کے اور میت کے حق میں دعاء کے الفاظ کہنا مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حدیث شریف میں ہے ”جو کوئی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر ثواب دے گا، جس طرح مصیبت زدہ کو۔“ (اس کے صبر پر)

(ترمذی شریف: ج۱، ص۱۲۷)

مسئلہ تعزیت تین دن تک کرنی چاہئے اس کے بعد مکروہ ہے، ہاں! جس کو اطلاع نہ ہو یا تعزیت کرنے والے یا اہل میت حاضر نہ ہوں تو تین دن کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور مجبوری یا دوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تو خط کے ذریعہ تعزیت کی جا سکتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خط کے ذریعہ تعزیت ثابت ہے۔ (حصن حصین: ص ۱۸۰)

مسئلہ تعزیت کے یہ الفاظ حدیث سے ثابت ہیں کہ "اللہ تعالیٰ تجھ کو اجر عظیم عنایت فرمائے اور صبر کا بدلہ بہتر عنایت فرمائے اور میت کی بخشش فرمائے۔"

مسئلہ اگر دونوں غیر مسلم ہوں تو یہ الفاظ کہے "اللہ تعالیٰ تجھ کو بدلہ دے اور تمہارے آدمی نہ گھٹائے۔" (عالمگیری: ج۱، ص۱۶۷)

مسئلہ تعزیت محض رواجِ دنیوی نہیں ہے؛ بلکہ حدیث شریف سے ثابت اسلامی تعلیم اور فضیلت و ثواب کا امر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۲۳۲)

مسئلہ تدفین کے بعد اہل خانہ سے مصافحہ کو ضروری قرار دینا سنت کے مطابق نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱، ص۳۶۹، بحوالہ شامی: ج۱، ص۸۴۲، مراقی: ص۱۲۰، واحسن الفتاویٰ: ج۴، ص۲۳۵)

تعزیتی جلسہ کرنا

مسئلہ کسی مسلمان کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیت کرنا یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں پر خود جا کر تعزیت کا موقع نہ ہو، تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیت کرنا منقول ہے۔

جس کے انتقال سے بہت سے لوگوں کو صدمہ ہو یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہو تو اس کے لیے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کر کے اس طرح تعزیت کر لے کہ میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہ پڑے، مجمع عظیم کی دعاء بھی زیادہ مستحق قبول ہے تو بظاہر اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں؛ لیکن بہت جگہ اس جلسہ نے محض رسم کی صورت اختیار کر لی ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ اخبارات میں نام آجائے گا، اور ہماری شہرت ہو جائے گی، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۲، ص۲۲۵)

ایصالِ ثواب کا غلط طریقہ

مسئلہ ایصالِ ثواب کا طریقہ بہت سہل و آسان ہے؛ لیکن جو طریقے اختیار کیے

جاتے ہیں وہ ایسے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ نے، نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختیار کیے، اور نہ ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے، اور کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم یہ رسمیں ایصالِ ثواب میں نہیں کریں گے تو برادری نارض ہو جائے گی؛ اس لیے ہمیں یہ کرنا پڑتا ہے۔

یہ صرف بدعت ہی نہیں؛ بلکہ شرک بھی ہے؛ اس لیے کہ کرنے والے اللہ کی خاطر نہیں کرتے؛ بلکہ برادری سے اتنا ڈر ہے کہ اس کو خدا بنا رکھا ہے، یہ شرک ہو گیا کہ غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے کر رہے ہیں، برادری میں ناک کٹ جائے گی، برادری کو خدا بنا رکھا ہے۔

بے غیرتی کی انتہاء

آج کا بے غیرت مسلمان اور بے غیرت برادری کے لوگ کسی کے انتقال پر گدھ کی طرح منڈلاتے ہیں کہ اب کھانے کو ملے گا، اگر دل میں خوفِ خدا نہیں، آخرت کی فکر نہیں، اپنے حساب و کتاب کا ڈر نہیں، اللہ تعالیٰ اور اسلام کا پاس نہیں تو کم از کم کچھ غیرت ہی ہو، یا جس کا عزیز مر گیا ہے اس پر کچھ خدا کے لیے رحم ہی ہو کہ ایک تو وہ صدمہ میں مبتلا ہے، دوسرے یہ کہ علاج پر مرنے والوں کا کافی خرچہ ہو گیا ہے؛ مگر بے غیرت برادری اسی فکر میں ہے کہ رہا سہا جو کچھ گھر میں بچ گیا، لاؤ! کھالیں۔

اگر واقعتاً ایصالِ ثواب کرنا چاہتے ہیں، واقعتاً مرنے والے کے ساتھ آپ کو حمیت ہے اور واقعتاً آپ کے دل میں رحم کا جذبہ ہے تو پھر محسن اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ طریقہ آپ کے لیے کیوں کافی نہیں؟

سنئے! ایصالِ ثواب کی حقیقت کیا ہے؟ ہر وہ نیک کام جو انسان اپنے لیے کرتا ہے وہ دوسروں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کرے تو اس کا ثواب دوسروں کو پہنچے گا، مردہ اور زندہ دونوں کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں، اب اپنے لیے نفل نماز پڑھتے ہیں، نفل روزہ رکھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، تسبیحات پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، نفل حج وعمرہ کرتے ہیں، طواف کرتے ہیں، غرض یہ کہ ہر نفل عبادت جو آپ اپنے لیے کرتے ہیں، اس میں صرف یہ نیت کر لی کہ اس کا ثواب ہمارے فلاں عزیز کو پہنچے، پس وہ ثواب پہنچ جائے گا اور

بس یہی ایصالِ ثواب ہے، وہ ثواب جو آپ کو ملتا تھا وہ آپ کو بھی ملے گا اور جن دوسرے لوگوں کی نیت آپ نے کر لی، ان سب کو بھی پورا پورا ثواب ملے گا، اور ایک غلط فہمی اور ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایصالِ ثواب صرف مُردوں ہی کو ملتا ہے، مُردوں ہی کو کیا جاتا ہے، آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایصالِ ثواب جیسے مُردوں کو کیا جاتا ہے، اسی طریقہ سے زندوں کے لیے بھی کر سکتے ہیں، جو عبادت جس طریقہ سے آپ اپنے لیے کرتے ہیں اس میں نیت کرلیں کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے، پہنچ جائے گا۔ (اصلاح الرسوم)

مسئلہ بعض لوگ کھانا کھلانے ہی کو صدقہ سمجھتے ہیں، اگر ضرورت مندوں کو نقد دیدیا جائے، یا غلہ دیدیا جائے، اس کو صدقہ نہیں سمجھتے، اسی طرح بعض لوگ جمعرات ہی کو کھانا مسجد میں بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ صدقہ کے لیے نہ جمعرات شرط ہے اور نہ مسجد میں بھیجنے کی، اور بعض ایصالِ ثواب کے لیے کھانا کھلاتے ہیں کہ جب تک کھانے پر فاتحہ نہ دلائی جائے ایصالِ ثوب ہی نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے، آپ نے اخلاص کے ساتھ جو کچھ راہِ خدا میں دیدیا قبول ہو جاتا ہے، اگر آپ اس کا ثواب کسی عزیز یا بزرگ کو پہنچانا چاہتے ہیں تو ایصالِ ثواب کی نیت سے ثواب پہنچ جاتا ہے (آپ کے مسائل: ج۳ص۴۳۱)

ایصالِ ثواب میں دعوتیں کیوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**سبعة یظلّهم اللّٰه فی ظله یوم لا ظل الا ظله**" (الحدیث) کہ سات قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے؛ جبکہ کوئی سایہ نہ ہوگا، لوگ گناہوں کی وجہ سے پسینوں میں ڈوب رہے ہوں گے، جتنے گناہ زیادہ ہوں گے اتنے ہی پسینے زیادہ ہوں گے، کسی کا گھٹنے تک، کسی کا ناف تک، کسی کا سینہ تک، کسی کا لبوں تک، اور بہت سے لوگ ایسے (بھی) ہوں گے جو پسینے میں (پورے) غرق ہوں گے۔"

ان اقسام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے صدقہ خیرات اتنا مخفی (چھپا کر) کیا کہ دائیں ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کیا دیا؟ فرمایا کہ اس کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے روز حشر کی تمازت سے محفوظ رکھیں گے، اور اپنی رحمتِ خاصہ کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ اب سوچئے کہ مخفی صدقہ

کرنے کا اتنا بڑا اثر ہے تو آپ کسی کے مرنے پر ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کرتے ہیں تو اس میں یہ رسمیں و ہنگامہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ دعوتیں کیوں ہوتی ہیں؟ دعوتوں کی رقم نادار طلبہ پر مخفی طور پر تقسیم کر دیجیے یا پھر محلہ کے مساکین کو دیدیجیے، شریعت صدقہ کرنے سے نہیں روکتی، خوب زیادہ صدقہ کیجیے؛ مگر سنت کے مطابق کیجیے؛ مگر بات یہ ہے کہ برادری میں ناک کٹ جائے گا، برادری کو خدا بنا رکھا ہے، کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ یہ جواب دے کر بچ جائیں گے، جس دن آپ کو سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا؟ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، خدا کے لیے سوچیے کہ یہی برادری جس کو راضی کرنے کے لیے آپ اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں، کیا یہ برادری اس وقت آپ کے کام آئے گی؟ مخفی صدقہ کا اتنا بڑا ثواب ہے، کیا اب بھی آپ کہیں گے، نہیں دعوت ہی کرنی ہے۔

صدقہ میں پیسہ ہی کیوں؟

دوسری بات یہ کہ اگر ذرا بھی انسان میں عقل ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ دعوت کے بجائے نقد پیسہ دینے میں مسکین وغریب کا فائدہ زیادہ ہے؛ اس لیے کہ پیسہ سے اس کی ہر حاجت پوری ہو سکتی ہے، اس کو کپڑے کی ضرورت ہے، رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہے، سردی میں لحاف کی ضرورت ہے، پڑھنے کے لیے کتاب کی ضرورت ہے، اسکول کی فیس، بیماری میں دوا کی ضرورت ہے، سفر کے لیے کرایہ کی ضرورت ہے، دنیا میں کوئی ضرورت ہو، پیسہ ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے اور اگر آج کوئی ضرورت درپیش نہیں تو کل کی ضرورت کے لیے رکھ سکتا ہے، کھانے کی ضرورت بھی پیسوں سے دور ہو سکتی ہے؛ اس لیے صدقہ وخیرات میں نقد پیسہ دینا ہی سب سے زیادہ افضل ہے، جس چیز میں مسکین وغریب کا فائدہ زیادہ ہو، اس کا ثواب بھی زیادہ ہے، اور نقد دینے میں ایک فضیلت یہ کہ مخفی (چھپا ہوا) ہوگا جس پر خوشخبری ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے'' اور دوسری فضیلت یہ کہ اس میں مسکین کا زیادہ فائدہ ہے تو ثواب بھی زیادہ ہے؛ مگر شیطان نے سمجھا رکھا ہے کہ کھانا (دعوتیں) ہی کھلاؤ، خواہ پہلے سے اس کے پیٹ میں درد ہو تو بھی کھانا ہی کھلاؤ جب تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں ملے گا، اور سب سے زیادہ مزے کی بات یہ کہ ثواب تو ہے مسکینوں کو، غریبوں کو صدقہ

دینے میں؛ لیکن کھانا کھلانے میں مسکین کو کوئی قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا، سب کا سب سارے عزیز واقارب ہی مل کر کھا جاتے ہیں، اور نام ہو رہا ہے ایصالِ ثواب کا اور کھا جاتے ہیں برادری والے، اور پھر یوں بھی غیرت نہیں آتی کہ ایسے موقعوں پر بڑے بڑے امیر خود کو مسکین بنا لیتے ہیں، ان کی غیرت کیسے گوارا کرتی ہے؟ جہاں تیجہ، دسواں، چالیسواں، اور خدا جانے کیا کچھ خرافات ہو رہے ہیں، بڑے بڑے امراء اغنیاء اور اہل ثروت بھی اس طرح شریک ہو جاتے ہیں جیسے یہ بھی مسکین ہی ہیں،، سب سے بڑے مسکین وغریب خود بن جاتے ہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا مقابلہ ہے، کیسا فریب اور کیسی دیدہ دلیری ہے کہ خود مسکین بن بیٹھے اور خود ہی مسکینوں کا حق کھا گئے۔

ایصالِ ثواب میں نقدی ہی بہتر ہے

جب ثواب زیادہ نقد صدقہ دینے میں ہے اور وہ مخفی بھی رہتا ہے اور مسکین کی ہر حاجت وضرورت اس سے پوری ہوتی ہے اور نقد صدقہ جائے گا بھی صرف مسکینوں کے پاس، تو پھر یہ طریقہ کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ اسی پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے کہ ایصالِ ثوب کے لیے دعوت ہی دی جائے، ساتھ میں ایک قباحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے لیے جو بھی کر سکیں، جتنا بھی کر سکیں، جہاں کر سکیں، جب کر سکیں اور جس حالت میں کریں، اخلاص سے ہونے والی ہر نفل عبادت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قبول کرتی ہے، وہ ہر جگہ پر موجود ہے، وہ دیکھنے والے ہیں، عبادتوں کو قبول کرنے والے ہیں، وہ سمیع وبصیر ہیں، وہ علیم وخبیر ہیں؛ مگر شیطان نے کیا پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تیسرے ہی روز مرنے کے تیجہ کیا جائے، آگے پیچھے ہرگز نہیں اور کرنا بھی مردے کے لیے گھر پر ہی جا کر، اگر اپنے اپنے گھر ایصالِ ثواب کر لیا تو اللہ میاں قبول نہیں کریں گے، اور دیکھنا الگ الگ نہ کرنا، اکٹھے ہو کر ہی کرنا، اگر الگ الگ کر لیا تو ان کا خدا یعنی شیطان قبول نہیں کرے گا، ان کا خدا شیطان ہی ہوا نا؟ جب ہی تو ان کا طریقہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر الگ ہے۔

یہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت اور ان کا مقابلہ ہو گیا؛ اس

لیے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ ایصالِ ثواب کا نہیں بتایا تو آپ کون ہوتے ہیں اسے ثواب بتانے والے؟ ایک ناچیز بندہ اور مقابلہ کرے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا! خدا کے لیے اپنی جانوں پر رحم کیجئے اور کچھ تو سوچئے، اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں کہ آپ جب چاہیں، جس وقت چاہیں، جہاں چاہیں نفل عبادت ادا کریں اور جس حال میں چاہیں کریں، مجلس میں، بازار میں، گھر میں، چلتے پھرنے، دکانوں پر، مسجد میں، کہیں بھی ہوں خواہ چل رہے ہوں، بیٹھے ہوں، کھڑے ہوں، لیٹے ہوں، کسی بھی حالت میں ہوں، آپ جو بھی عبادت کریں اللہ تعالیٰ کے یہاں سب قبول ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ثواب مردے کو پہنچا دیتے ہیں، بس صرف آپ کی نیت کرنے کی ضرورت ہے، صرف نیت کر لیجئے کہ اس کا ثواب فلاں کو ملے، مل جائے گا؛ مگر آپ کو تو شکم پرست ملاؤں نے یہ بتا رکھا ہے کہ جب تک سب اکٹھے ہو کر زور نہیں لگائیں گے ثواب نہیں پہنچے گا، مجمع بھی ہو اور ساتھ ساتھ (پیٹ پجاری ملاّ) ڈرائیور بھی ہو اور گارڈ بھی ثواب پہنچانے کے لیے، ڈرائیور آگے سے بھی پڑھے پیچھے سے بھی پڑھے، اِدھر اُدھر سے بھی پڑھے تب جا کر ثواب پہنچے گا؛ معاذ اللہ! گویا اللہ میاں کو پتہ نہیں چلتا، جب تک کہ یہ پہنچانے والا ڈرائیور نہ ہوگا ثواب نہیں ہوگا اور ثواب نہیں پہنچے گا، ڈرائیور لاؤ تو کام بنے گا، پھر ڈرائیور کی قیمت بھی بہت بڑی زبردست چکانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ پیٹ کے جہنم سے حفاظت فرمائے، (آمین) شکم پرست ملاؤں نے اپنا پیٹ پالنے کے لیے عوام کو بڑے فریب دے رکھے ہیں، یہ بھی سب پیٹ پالنے کا ہی دھندہ ہے، طرح طرح کی پٹی اور سبق پڑھا رکھے ہیں کہ نہ مردے کو ثواب پہنچے، سوائے ملاّ کے، اور نہ مردے کو غسل دے سکے، سوائے ملاّ کے۔

اخیر میں ایک اور غلط عقیدہ کی بھی اصلاح ضروری ہے، وہ یہ کہ ایصالِ ثواب کے لیے جو چیز مسکین کو دی جاتی ہے بعینہٖ وہی چیز مُردوں کو ملتی ہے، یہ غلط ہے۔

ایک مسئلہ اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ جس خاندان میں ایصالِ ثواب کے غلط طریقے رائج ہیں، اگر وہاں کسی کو اصلاح و توبہ کی توفیق ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنے خاندان کے ہر فرد کو وصیت کر دے کہ اس کے مرنے پر ایسی کوئی بدعت ہرگز نہ کی جائے اور ایصالِ ثواب سنت کے مطابق کیا جائے اور یہ وصیت کرنا اس پر فرض ہے، اگر اس نے وصیت نہیں کی تو

اس کے مرنے پر جو بدعات ہوں گی اس کا گناہ اور عذاب اس میت پر بھی ہوگا، یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بدعت کا گناہ اور عذاب زیادہ ہے۔

اور جتنے لوگوں کو بھی ہدایت ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، بدعت کے ماحول میں اتباعِ سنت پر سو شہیدوں کے برابر ثواب ہے، یا اللہ! ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح محبت عطا فرما، صحیح عظمت عطا فرما، صحیح اطاعت عطا فرما، اتباعِ سنت عطا فرما۔ (آمین) (محمد رفعت قاسمی)

کھانے پر فاتحہ پڑھنا

سوال ہمارے یہاں ایصالِ ثواب کا کھانا غرباء و مساکین کے سامنے رکھ کر ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں، اور اس کے بعد کھانا کھایا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ایصالِ ثواب کے لیے کھانے پر فاتحہ خوانی کا یہ طریقہ بے اصل اور بلا دلیل شرعی اور بدعت ہے، اس کے ثبوت میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ موضوع (من گھڑت اور بنائی ہوئی) ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳، ص۱۹۴)

مسئلہ میت کو ثواب ہر نیکی کا پہنچایا جا سکتا ہے اور میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کر لی جائے تو اس سے ثواب پہنچ جاتا ہے؛ لیکن کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہنچتا غلط ہے، کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۲۹)

مسئلہ مرنے کے بعد چالیس روز تک روٹی کی رسم کرنا (کھلانے کو ضروری سمجھنا) بدعت ہے، ایسے ہی گیارہویں بھی بدعت ہے، بلا پابندی رسم و قیود ایصالِ ثواب مستحسن ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۶۱)

مسئلہ کھانے پر فاتحہ پڑھنا بالکل بے اصل ہے (لیکن اگر ایسا کیا جائے تو یہ کھانا حرام نہیں ہوتا، اس کا کھانا جائز ہے) نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ صحابہ و تابعین سے، نہ ائمہ مجتہدین سے، یہ محض بدعت محدثہ ہے۔

سمجھنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو صحابہ کرامؓ جو ایسے

کاموں کے عاشق تھے کبھی نہ چھوڑتے، کسی سے بھی کھانے پر فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں؛ اس لیے یہ بدعت وضلالت ہے۔ (امداد المفتیین: ج۱، ص۱۰، وکفایت المفتی: ج۱، ص۲۱۰)

فاتحہ خوانی کی حقیقت

مسئلہ پہلے یہ سمجھو کہ فاتحہ یعنی مردوں کو ثواب پہنچانے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت شریعت میں فقط اتنی ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا، اس پر جو کچھ ثواب اس کو ملا، اس نے اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دوسرے کو دیدیا کہ یا اللہ! خیر، یہ ثواب فلاں کو دیدیجئے اور پہنچا دیجئے، مثلاً کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ کھانا یا مٹھائی، یا روپے پیسے، کپڑا وغیرہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ جو کچھ اس کا ثواب مجھ کو ملا ہے وہ فلاں صاحب کو پہنچا دیجئے گا، یا ایک آدھ پارہ قرآن شریف کا پڑھا یا ایک ہی سورت وغیرہ پڑھی اور اس کا ثوب بخش دیا، چاہے وہ نیک کام آج ہی کیا ہو یا اس سے پہلے عمر بھر میں کبھی کیا تھا دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔

باقی رسمیں من گھڑت ہیں مثلاً: (۱) پہلے تھوڑی سی جگہ لیپتے ہیں، اس میں کھانا رکھتے ہیں، پھر ایک شخص کھانے کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ قرآن کی سوتیں پڑھتا ہے اور نام بنام سب مردوں کو بخشتا ہے، اس من گھڑت طریقہ میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلاً سب جاہلوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے بغیر ثواب نہیں پہنچتا، چنانچہ ایک ایک کی خوشامد کرتے پھرتے ہیں، جب تک کوئی اس طرح فاتحہ نہ کردے تب تک وہ کھانا کسی کو نہیں دیا جاتا ہے۔

مسئلہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے فاتحہ کی ایک اور خرابی ہے، وہ یہ کہ لوگ ان کو حاجت روا اور مشکل کشا (پریشانیوں کو دور کرنے والے) سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کام نکلیں گے، حاجتیں پوری ہوں گی اور اولاد ہوگی، اولاد کی عمر بڑھے گی۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس طرح کا عقیدہ صاف شرک ہے۔ (اللہ تعالیٰ بچائے)
غرض ان سب رسموں اور عادتوں کو چھوڑ دینا چاہئے، اگر کسی کو ثواب بخشنا منظور ہو تو بس جس طرح شریعت کی تعلیم ہے اُس طرح سیدھے سادھے طور پر بخش دینا چاہئے، سب

لغویات کو چھوڑ دینا چاہئے، بس بلا پابندی رواج جو کچھ توفیق اور میسر ہو پہلے محتاج (ضرورت مندوں) کو دیدو پھر اس کا ثواب بخش دو۔ (بہشتی زیور: ج ٦، ص ٥٢)

فاتحہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سوال فاتحہ جو قبر پر پڑھی جاتی ہے اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ (٢) فاتحہ قبر پر ہی جا کر کیوں؟ گھر پر پڑھ دی جائے تو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

جواب فاتحہ جو قبر پر پڑھی جاتی ہے اس کا قاعدہ مسنونہ یہ ہے کہ قبرستان جا کر پہلے تو

السلام علیکم یا اَھْلَ الدِّیارِ مِن المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات! انتم لنا سلف و نحن بالاثر یغفر اللّٰہ لنا و لکم اجمعین

کہے، یہ سب مردوں کو سلام اور دعاء ہوئی، اس کے بعد سورۂ تکاثر ایک بار سورہ اخلاص یعنی **قل ھو اللّٰہ احد** گیارہ بار اور اگر ہمت زیادہ ہو تو سورۂ یٰسین بھی ایک بار پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے، اس تلاوت کا ثواب فلاں فلاں کو اور یہاں پر جتنے مسلمان مدفون ہیں، سب کو پہنچا دیا جائے۔

٢۔ قرآن کریم گھر پر بھی پڑھ کر بخش دیں تو ثواب پہنچ جائے گا، اگر صرف ثواب پہنچانے کا ارادہ ہے تو اس کے لیے قبرستان جانے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر ثواب پہنچانے کے ساتھ میت کی تانیس و دلداری بھی مقصود ہو تو قبر پر جانے اور وہاں جا کر قرآن پڑھنے سے میت کو انس و مسرت زیادہ ہوتی ہے۔ (امداد الاحکام: ج ١، ص ١٩٢)

مسئلہ ایصالِ ثواب کا جو قرآن و حدیث و صحابہ کرامؓ سے ثابت طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ کچھ قرآن پڑھ کر یا فقیروں، غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو کھانا کھلا کر یا دیکر یا کپڑا دیکر یا کوئی نیک کام خدا اور رسول کی مرضی کا کر کے اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش کر جس جس کو اور چاہے سب کو بخش دے اور جہاں تک ہو لوگوں سے چھپا کر محض اللہ کے لیے کرے اور نیت اس طرح کرے کہ یا اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے یا صدقہ کیا ہے یا نیک کام کیا ہے ان سب کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا کر فلاں کو پہنچے، اس طریقہ کے سوا اور جتنے طریقے آج کل رواج پکڑ گئے ہیں، ان میں سے کوئی بھی حدیث اور قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ (نظام الفتاوی: ج ١، ص ١٥١، و اصلاح الرسوم: ص ١٣٠)

بدعت کی تعریف

مسئلہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور تصرفات واختیار میں کسی اور کو شریک سمجھنا شرک کہلاتا ہے، اور جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ وتابعینؒ نے نہیں کیا؛ بلکہ دین کے نام پر بعد میں ایجاد ہوا، اسے عبادت سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتا ہے، اس اصول کی روشنی میں مثالیں آپ خود بھی متعین فرما سکتے ہیں۔

مسئلہ درمختار مع حاشیہ شامی ج۱، ص۱۶۰ میں بدعت کی تعریف کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(الف) دین میں کوئی ایسا نظریہ، طریقہ اور عمل ایجاد کرنا بدعت ہے جو طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ قولاً ثابت ہو، نہ فعلاً، نہ صراحتاً، نہ دلالۃً اور نہ اشارۃً۔

(ب) جسے اختیار کرنے والا مخالفت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے بطور ضد وعناد اختیار نہ کرے؛ بلکہ بزعم خود ایک اچھی بات اور ثواب کا کام سمجھ کر اختیار کرے۔

(ج) وہ چیز کسی دینی مقصد کا ذریعہ وسیلہ نہ ہو، بلکہ خود اسی کو دین کی بات سمجھ کر کیا جائے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۵، ونظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۲۱، وفتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۳۳۸)

مسئلہ کفر وشرک کے بعد بدعت بڑا گناہ ہے، اور بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن وحدیث میں ان کا ثبوت نہ ملے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو، اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔

مسئلہ بدعت بہت ہی بُری چیز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کو مردود فرمایا ہے اور جو شخص بدعت نکالے اس کو دین کا ڈھانے والا بتایا ہے اور فرمایا کہ ''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔'' (تعلیم الاسلام: ج۴، ص۲۲)

بدعت کی اقسام

سوال کوئی قسم بدعت کی حسنہ بھی ہے کیا؟

جواب بدعت کوئی حسنہ نہیں ہے اور جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے؛ مگر اصطلاح کا فرق ہے، مطلب سب کا ایک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۴۶)

''سنت'' کے معنی لغت میں طریقے کے ہیں، خواہ اچھا ہو، یا خراب ہو۔ ''بدعت'' کے معنی نئی چیز جو پہلے سے نہیں تھی، لغۃً ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اور اس تعریف کے اعتبار سے بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضالّہ ہی ہوتی ہے؛ البتہ معنی لغوی کے اعتبار سے کبھی حسنہ بھی ہوتی ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۲۱)

مسئلہ جس بدعت کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے وہ صرف ایک ہی قسم ہے اور وہ ہے کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار. (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۴، ص۶۱)

مسئلہ ہر ایسی نئی بات جس کی شریعت میں کچھ اصل نہ ہو اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے تو وہ بدعت اور ممنوع ہے۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ: ج۱، ص۱۵۶)

مسئلہ جس طرح شرک توحید کی ضد ہے، اسی طرح بدعت سنت کے مدمقابل ہے، سنت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے اور اس کو (سنت کو) نیست و نابود کر کے اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۳۲۷)

مسئلہ شامی میں بدعت کی قسمیں بیان کی ہیں کہ تراویح کی یکجائی جماعت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''نعمت البدعة'' اس وجہ سے سیئہ اور حسنہ کی تقسیم کی گئی، ورنہ بدعتِ حسنہ درحقیقت معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہے، نہ کہ معنی شرعی کے اعتبار سے، اسے کل بدعةٍ ضلالة میں بدعت شرعیہ اور بدعت سیئہ مراد ہے اور جس چیز کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے وہ ضلالہ نہیں؛ بلکہ مسلوکہ فی الدین ہے، اور معین فی الدین ہے یعنی وہ احادیث فی الدین نہیں؛ بلکہ احداث للدین ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۲، ص۱۸۵)

بدعت کی تفصیل دیکھئے، براہین قاطعہ، فتح الباری: ج۴، ص۲۸۷، الترغیب والترہیب: ص۶۵، اختلاف امت اور صراط مستقیم: ص۱۰۰، ترمذی شریف: ج۱، ص۳۳، و نسائی شریف: ج۱، ص۱۳۲، و مسلم شریف: ج۱، ص۲۴۹، اور مشکوٰۃ شریف: ج۱، ص۲۳۸ باب حرم المدینہ۔

بدعت کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟

قرآن مجید کے چھٹے پارے میں سوۂ مائدہ کے پہلے رکوع میں آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ’’آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا، اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں راضی ہوگیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ اپنی زبردست، بہترین، اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل اور مکمل کر دیا، تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی ضرروت نہیں، نہ اس نبیؐ کے سوا اور نبی کی تمہارے لیے حاجت ہے، خدا نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا، انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہے، حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہے، دین وہی ہے جسے وہ مقرر کرے، دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو پورا کرنا ہے؛ کیوں کہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر راضی ہوں؛ اس لیے تم بھی اس پر راضی رہو، یہی دین خدا کا پسندیدہ ہے، اس کو دے کر اسی نے اپنے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔

حوالہ: تفسیر ابن کثیر پارہ ٦، ص ۴۸ سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ’’دینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کامل ومکمل کر دیا ہے، اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں، اسے خدا نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے کا، اس دین سے خدا خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔‘‘

حوالہ: تفسیر ابن کثیر پارہ ٦، ص ۴۸ سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں ابن ابی حاتم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ’’ایک شخص تھا، بڑا پابند دین خدا، ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے ہیں وہی تم بھی کر رہے ہو، اس میں کیا رکھا ہے، اس کی وجہ سے نہ عام لوگوں میں تمہاری قدر ہوگی اور نہ شہرت، تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو، اسے لوگوں میں پھیلاؤ، پھر دیکھو کیسی شہرت ہوتی ہے اور کس طرح جگہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اس کی وہ باتیں لوگوں میں پھیل گئیں، اور ایک

زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا، اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی، اور اس نے وہ ملک چھوڑ دیا، اور تنہائی میں خدا کی عبادتوں میں مشغول ہوگیا؛ لیکن خدا کی طرف سے اسے جواب ملا کہ ''تیری خطا ہی صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا؛ لیکن تو نے عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے چھوڑا، انہیں غلط راہ پر لگا دیا، جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر گئے، ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں کروں گا۔''

حوالہ: تفسیر ابن کثیر پارہ ۶، ص ۱۲۵ سورۂ مائدہ کے دسویں رکوع کی تفسیر میں

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اس امر (یعنی دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

حوالہ: (۱) صحیح مسلم شریف جلد ۲، ص ۲۵، حدیث ۱۸۱، باب ۱۵۹ قضیہ کا بیان۔ (۲) مشکوٰۃ شریف جلد ۱، ص ۱۰۵، حدیث ۱۳۱ سنتوں کا بیان۔ (۳) مظاہر حق جلد ۱، ص ۶۸، سنتوں کا بیان۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہاں نئی بات (یعنی بدعت) پیدا کرے یا کسی نئی بات پیدا کرنے والے کو جگہ دے، اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، نہ اس سے کوئی نفل عبادت قبول کی جائے گی نہ فرض۔ (مختصر)

حوالہ: صحیح بخاری شریف جلد ۲، پارہ ۱۲، ص ۱۱۵، حدیث ۴۱۳ جہاد کا بیان۔

میرے عزیز دوست! آج ہندوستان میں کثرت سے بدعتوں کا چلن ہوگیا ہے، اور اس پر تعجب تو یہ ہے کہ جو ان بدعتوں پر عمل نہ کرے اس کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، بلکہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اب آپ یہ سوچئے کہ ان بدعتوں کی محبت ہمارے اکثر نادان، اَن پڑھ مسلمان بھائیوں کے دل میں کس قدر گھر کر گئی ہے، کسی بدعت کو چھوڑنا گویا مذہب چھوٹ جانے کے برابر سمجھتے ہیں، یہ سارا قصور جیب بھرو پیر اور پیٹ بھرو مولویوں کا ہے؛ کیوں کہ یہ لوگ علم سے کورے ہوتے ہیں، اور اگر کسی میں علم ہے بھی تو اس میں نفسانیت ہوتی ہے؛ اس لیے جاہلوں کی مرضی کے مطابق کچھ تاویلیں کر کے فتویٰ دے دیتے ہیں، اور وہ جاہل اسی کو مذہب سمجھتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عمل کرتے ہیں؛ کیوں کہ سب کریں اور ایک آدمی نہ کرے تو اس کے اوپر جماعت کی

طرف سے دباؤ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جماعت سے الگ کر دینے کی دھمکی بھی دی جاتی ہے، خود میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا؛ مگر میرے مالک ومختار نے مجھے اپنے رحم وکرم سے بچالیا، جہالت تو دیکھیے، فرض، واجب اور سنتوں کے لیے کوئی کسی پر دباؤ نہیں ڈالتا، کسی کو دھاک دھمکی بھی نہیں دیتا، کوئی جماعت سے کسی کو الگ بھی نہیں کرتا اور ایک بدعت کے لیے جس پر شریعت میں سخت وعید آئی ہے، اس کے لیے شاید ہی کوئی ایسا دیہات یا قصبہ یا شہر ہوگا جہاں پر جھگڑے نہ ہوتے ہیں۔

حدیث: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدعتی کا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عمرہ، جہاد، صدقہ، فدیہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا؛ بلکہ وہ اسلام سے ایسا باہر ہو جاتا ہے جیسے آٹے سے بال نکال لیا جائے۔

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ص ۴۰، حدیث ۵۱، امور بدعت کا بیان

بدعت ہڑک کی طرح ہے

تحقیق نکلے گی بیچ امت میری کے کئی قومیں، سرایت کرے گی بیچ میں ان کے خواہش، یعنی بدعتیں عقائد میں اور اعمال میں، جیسے کہ سرایت کرتی ہے ہڑک ہڑک والے کو نہیں باقی رہتی اس سے کوئی رگ اور نہ کوئی جوڑ؛ مگر داخل ہوتی ہے اس میں۔

حوالہ: مظاہر حق جلد ۱، ص ۹۷، کتاب الایمان

جب کوئی کتا باؤلا ہو جاتا ہے اور ہڑک اس کی نس نس میں پیوست ہو جاتی ہے، تو وہ کتا پانی کو دیکھتا ہے اور بھاگتا ہے، پانی پینا تو درکنار پانی کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا، اسی طرح جس انسان کی نس نس میں بدعت پیوست ہو جاتی ہے تو وہ انسان قرآن وحدیث سنتا ہے اور بھاگتا ہے، قرآن وحدیث پر عمل کرنا تو درکنار اس کو سننا بھی گوارا نہیں کرتا، جس طرح باؤلے کتے کو پانی نصیب نہیں ہوتا اور پیاسا ہی مر جاتا ہے اسی طرح بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی، اور وہ گمراہی کے جنگل ہی میں مر جاتا ہے۔

جو شریعت کی کسی دلیل سے ثابت نہ ہوں، ایسی باتوں کو دین میں داخل کرنے کو بدعت کہتے ہیں، اور بدعت بہت بڑا گناہ ہے؛ کیوں کہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے وہ گویا اللہ سے مقابلہ کرتا ہے؛ اس لیے کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے، اس میں کمی بیشی کا کسی

کو حق نہیں ہے۔

پس جس نے شریعت میں کسی ایسی بات کو نکالا جو اس میں نہیں تھی، تو اس نے اس شریعت کو ناقص سمجھا اور اپنی طرف سے ایک نئی شریعت اس نے بنائی، پھر اس کا عامل بنا اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہا ہے، بظاہر تو وہ اپنے آپ کو فرمانبردار اور محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ رہا ہے؛ لیکن ایسا انسان سخت گمراہ ہے، اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی

جو انسان گناہ کرتا ہے اس کے لیے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ توبہ کر لے گا، کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھتا، یا روزہ نہیں رکھتا، یا شراب پیتا ہے، یا جوا کھیلتا ہے یا چوری کرتا ہے، تو بہر حال وہ توبہ کر سکتا ہے؛ کیوں کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کر رہا ہے، اور بدعتی کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی؛ کیوں کہ وہ بدعت کو عبادت سمجھ کر کر رہا ہے اسے قربِ خداوندی سمجھتا ہے یا تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتا ہے، یا عظمت اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم سمجھتا ہے، پھر توبہ کاہے کو کرے گا، بدعتی اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتا، ایسے انسان کو توبہ نصیب ہونا محال ہے، اِلّا ما شآء اللّٰہ۔

اکثر لوگ ایسے دیکھے جا رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم سمجھ کر بدعتیں کر رہے ہیں، اور بعض اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی عظمت سمجھ کر بدعتیں کر رہے ہیں اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور سچی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں؛ کیوں کہ وہ باتیں ان بدعتوں کے خلاف ہیں۔

ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہئے کہ جو بھی کام کرے پہلے اس کو قرآن و حدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی مبارک سے تحقیق کر لے، وہاں سے دلیل ملتی ہے تو کرے ورنہ چھوڑ دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کام نہیں کیا وہ کام اگر ہم نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے قیامت کے دن نہیں پوچھے گا کہ "تم نے کیوں نہیں کیا" اور اگر ہم اس کو ثواب سمجھ کر کریں گے، اور اللہ تعالیٰ نے حشر کے میدان میں پوچھ لیا کہ

”تم نے کیوں کیا؟ تو جواب دینا بھاری پڑ جائے گا، میرے بھیا! سوچ لو۔

جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور نہ کرنے کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا، ایسا کام دین سمجھ کر کرنا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نقص نکالنا ہے کہ ان باتوں کو معاذ اللہ! وہ سمجھ نہیں سکے جن کو ہم ادا کر رہے ہیں، اللہ کی پناہ!

جن باتوں کی حشر کے میدان میں پوچھ ہونے والی ہی نہیں، ان باتوں میں نہ اُلجھے؛ بلکہ جن باتوں کی حشر کے میدان میں پوچھ ہونے والی ہے ان پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہر مسلمان مرد و عورت کو ہر بدعت سے بچائے، آمین۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جو بات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو، ایسی نئی بات پر ایک زمانہ کا اتفاق ہونا بھی تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے، اور تو اسی طریقہ سلف پر مضبوطی اختیا کر لے، اللہ تیرا مددگار ہے“۔

حوالہ: فتاویٰ عالمگیری، جلد ۱، ص ۱۰۷، مقدمہ میں

بدعت کس کو کہتے ہیں؟

میرے عزیز دوست! بدعت کس کو کہتے ہیں؟ یہ بات اکثر لوگ نہیں سمجھتے، اور ان کے دل میں شیطان یہ بات ڈال دیتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ، حدیث کی کتابیں، فقہاء کی کتابیں، مدرسوں اور مسجدوں میں نمازیوں کے لیے ہر طرح کا انتظام یہ سب بدعت ہے، یہ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہیں تھیں؟ تو پھر ان باتوں کو عمل میں کیوں لاتے ہو؟ یہ ہیں شیطانی وسوسے جو اکثر لوگوں کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اب سنئے اس کی حقیقت، وہ تمام چیزیں دین کے انتظام کے لیے ہیں، عمل نہیں، عمل اور چیز ہے، انتظام اور چیز ہے، اگر عمل میں کوئی چیز بڑھائی جائے گی تو اس کو بدعت کہیں گے، اور اس پر عمل کرنا منع ہے، اور ایسی بدعتوں کے چھوڑ دینے کے لیے جب سمجھایا جاتا ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں برا کیا ہے؟ آخر یہ بھی تو اچھی بات ہے، منع کہاں لکھا ہے؟

سنئے جواب، مثلاً کلمۂ طیبہ بہت اچھی چیز ہے، اور اس کو ہر کوئی پسند کرتا ہے، روئے

زمین پر کوئی مسلمان آپ کو ایسا نہ ملے گا جسے کلمۂ طیبہ سے پیار نہ ہو، اور دل و جان سے اس کو نہ چاہتا ہو، یہی کلمہ دین کی بنیاد ہے، یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے؛ لیکن جب اذان ہوتی ہے تو اذان کا آخری کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ آتا ہے، اب اگر کوئی پیار اور محبت کے ساتھ مُحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ملا لے تو کیا حرج ہے؟ یا اس میں کوئی برائی ہے؟ یا کوئی گناہ ہے؟ پھر کیوں نہیں ملاتے؟ اگر کوئی ملا لے تو پورا کلمۂ طیبہ ہو جائے گا، اور منع بھی نہیں لکھا ہے، پھر کیوں نہیں پڑھتے؟ اور کلمۂ طیبہ کی فضیلت کے بارے میں تو سبحان اللہ! کیا کہنا، اسلام کا نظام ہی اس کلمہ پر ہے، پھر کیوں نہیں پڑھتے؟ دراصل بات یہ ہے کہ وہ عمل ہے اور عمل میں زیادتی نہیں ہوسکتی۔

دین میں جھگڑا نہیں ہے، رسم و رواج اور بدعتوں میں جھگڑا ہوتا ہے، جو دین ہوگا وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی حکم رکھتا ہوگا اور جو رسم و رواج اور بدعتیں ہوں گی وہ مختلف شکلوں میں ہوں گی اور کبھی کبھی ان بدعتوں اور رسم و رواج کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، اور جو دین ہوگا وہ ساری دنیا کے لیے ایک ہی حکم رکھتا ہوگا اور قیامت تک بدل نہیں سکتا اور نہ اس میں کوئی اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، مثلاً ختنہ کرانا سنت ہے، تو ساری دنیا کے مسلمانوں پر ختنہ کرانا سنت ہے، اس میں کہیں بھی کسی ملک میں یا کسی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح نکاح پڑھانا سنت ہے، تو ساری دنیا کے مسلمانوں میں سنت ہے کہیں بھی کسی جگہ پر بھی اختلاف نہیں ہے، کسی ملک میں کوئی بھی صبح کی نماز بجائے دو رکعت کے تین رکعت نہیں پڑھتا، جمعہ کی نماز دو رکعت ہے تو ساری دنیا میں دو ہی پڑھی جاتی ہے، عید کی نماز دو رکعت ہے تو ساری دنیا میں دو ہی پڑھی جاتی ہے، فجر کی نماز، جماعت میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے، جمعہ کی نماز میں بھی بلند آواز سے، عید کی نماز میں بھی بلند آواز سے، مغرب کی نماز میں بھی بلند آواز سے، عشاء کی نماز میں بھی بلند آواز سے، تراویح میں اور وتر کی جماعت میں بھی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے، ظہر اور عصر کی نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھے گا تو ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی اسے روک دے گا، مغرب کی تین رکعت نماز فرض ہے تو ساری دنیا میں تین ہی رکعت پڑھی جاتی ہے، کہیں بھی کسی جگہ پر اختلاف نہیں ہے، اگر کوئی مولوی مغرب کی چار رکعت نماز پڑھے گا تو جاہل سے جاہل آدمی بھی اس کو منع کرے گا اور اگر کوئی مولوی جبراً مغرب

کی چار رکعت نماز پڑھے گا تو اس کو مار کر مسجد سے بھی نکال دیں گے، کیوں کہ یہ احکام ہیں اور احکام میں کوئی اختلاف نہیں؛ البتہ ارکانوں میں اختلاف ہے جن کا بیان ہم سنت والجماعت میں کر چکے ہیں، اب آپ اللہ کے واسطے سوچیں کہ نماز جیسی چیز میں ایک رکعت بڑھانے سے وہ نماز ہی باطل ہو جاتی ہے تو پھر ہمارے دنیا بھر کے رسم و رواج کیسے قبول ہوں گے؟

رمضان المبارک کا چاند دیکھا تو تراویح شروع ہو گئی اور عید کا چاند دیکھا تو تراویح ختم ہو گئی، مغرب کی اذان ہوئی تو روزہ داروں نے روزہ کھول دیا، کوئی مسلمان عشاء کی اذان کے وقت روزہ کھولے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ آپ کے پاس سمجھانے کے لیے یہی الفاظ ہوں گے، بھائی صاحب ''شریعت کا حکم مغرب کی اذان کے وقت روزہ کھولنے کا ہے اور آپ عشاء کی اذان کے وقت روزہ کھولتے ہیں، یہ روزہ آپ کا نہیں ہوا؛ بلکہ آپ گنہگار ہوں گے'' اس سمجھانے پر وہ مسلمان آپ کے اوپر غصہ ہو جائے اور کہنے لگے کہ واہ صاحب! ہمارا روزہ کیسے نہیں ہوگا؛ جبکہ ہم نے دو گھنٹہ زیادہ بھوکے رہ کر کھولا ہے، آپ صاحب تو وہابی معلوم ہوتے ہیں، آپ کا عقیدہ خراب ہو گیا ہے، میرا تو عقیدہ ہے کہ عشاء کی اذان کے وقت روزہ کھولنے سے مجھے زیادہ ثواب ملے گا، تو ایسا عقیدہ حشر کے میدان میں نہیں چلے گا؛ کیوں کہ یہ عقیدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہے اور جہالت میں شمار کیا جائے گا، بہر حال مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے، ہندوستان میں یا اور کسی جگہ پر مذہب کے نام سے جو جھگڑے ہو رہے ہیں وہ حقیقت میں مذہب نہیں ہیں؛ بلکہ رسمیں ہیں یا بدعتیں ہیں۔

ایک انسان بدعت پر عمل کرتا ہے اور کرتے کرتے ایک عادت بن جاتی ہے تو عادت کو عبادت سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ عادت عبادت نہیں بن سکتی، کیوں کہ عادت مختلف شکلوں میں ہوتی ہے اور وقتاً فوقتاً اس میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے اور ان کی شکلیں بھی بدلتی رہتی ہیں اور عبادت ساری دنیا کے لیے ایک ہی حکم رکھتی ہے، اس میں نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ اس کی شکل بدل سکتی ہے۔

حدیث: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعاء سکھاتے ہیں، اس میں ایک لفظ یہ تھا وَنَبِیِّکَ کچھ دنوں کے بعد حضرت براء رضی اللہ

عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی دعاء پڑھتے ہیں، جب وہ وَنَبِیِّکَ پر پہنچتے ہیں تو وَنَبِیِّکَ کے بدلے وَرَسُوْلِکَ پڑھ دیتے ہیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سینے پر ایک مکا مارتے ہیں، اور فرماتے ہیں: وَنَبِیِّکَ پڑھو۔ (مختصر)

حوالہ: (۱) ترمذی شریف جلد۲، ص۲۹۰، حدیث ۱۲۴۶، دعاء کا بیان

(۲) صحیح بخاری شریف: جلد۱، پارہ۱، ص۷۰، حدیث ۲۳۷، وضو کا بیان

دیکھا میرے دوست! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وَرَسُوْلِکَ کہنے سے بھی منع فرمادیا، حالانکہ نبی اس کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دنیا میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہو اور اس پر کوئی آسمانی کتاب نازل نہ ہوئی ہو، اور رسول اس کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے نبی بھی بنایا گیا ہو اور اس پر آسمانی کتاب بھی نازل ہوئی ہو، آپ کی سمجھ میں بات آئی کہ نہیں؟ کہ نبی کے لفظ سے رسول کا لفظ مرتبہ کے لحاظ سے بڑھ کر ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے؛ مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا؛ کیونکہ یہ عمل ہے اور عمل میں زیادتی کسی طرح بھی جائز نہیں؛ اس لیے روک دیا کہ آج تو تم نے اتنا بدلا اور کل شاید تم یا اور کوئی جس کے جو دل میں آئے بدل ڈالے گا یا بڑھا گھٹا دے گا، یہ نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ عمل وہی کرو اور اسی طرح کرو جس طرح ہم تمہیں بتا چکے ہیں۔

میرے عزیز دوست! ہر چیز کی حد ہوتی ہے، دیکھیے جب اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے تو اللہ عزوجل اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کہتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کرسکتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ آپ کا ہے، اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے؛ لیکن ہم ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے؛ بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کہنا پڑے گا۔

اسی طرح ہر چیز کی حد ہوتی ہے؛ مگر اپنی بے علمی کی وجہ سے ہم جہالت کے پھندوں میں پھنستے چلے جارہے ہیں، اور ہمارے جیب بھرو پیر، اور پیٹ بھرو مولوی ہم کو پھنسا رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس صحیح علم ہوتا تو یہ لوگ ہم کو بہکا نہ سکتے، ہماری بے علمی نے ایسے بے دین پیروں اور مولویوں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔

(شریعت یا جہالت: ص ۵۶۱ تا ۵۷۰)

بدعتی متوازی حکومت بناتا ہے

بدعات میں جو گناہ ہوتا ہے اس کو ثواب سمجھا جاتا ہے اور جس گناہ کو انسان ثواب سمجھے گا اس سے توبہ کیا کرے گا؟ وہ گناہ جس کو گناہ سمجھا جائے اس سے اولاً تو کبھی توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور بالفرض توبہ کی توفیق نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے آپ کو گنہگار تو سمجھتا ہے، گناہ کا اعتراف ہو، اقرار ہو، ندامت ہو تو اسی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے؛ مگر جہاں گناہ کو ثواب سمجھا جائے تو ظاہر ہے اس سے کیا توبہ کرے گا؟ اور کیا دل میں ندامت ہوگی؟ بلکہ اس طرح کے گناہ کر کے اور زیادہ انسان اس پر خوش ہوتا ہے کہ میں نے ثواب کا کام کرلیا، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار" کہ ہر وہ کام جو میں نے بیان نہیں کیا اور میری طرف سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان نہیں فرمایا، اور اس پر عمل نہیں فرمایا "اگر لوگ اس کو اپنی طرف سے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو وہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔"

اور عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو فیصلہ کے لیے عقل کافی ہے کہ جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ثواب نہیں بتایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے مطابق عمل نہیں فرمایا، نہ اس کو ثواب بتایا، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل نہ کیا، نہ وہ مسئلہ بتایا، حضرات ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی نہ وہ مسئلہ بتایا اور نہ اس قسم کا کوئی عمل کیا، اس کے باوجود اگر ہم ایسا کچھ کام کرتے ہیں اور ہم اس کو ثواب سمجھتے ہیں تو سوچیں اور خوب سوچیں کہ وہ کام ثواب کیسے ہوگا؟ اور خدا کرے اس مسئلہ پر سوچنے کی توفیق مل جائے، تاکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہ کرے، پھر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں اور مقابلہ کو ثواب سمجھ رہے ہیں، بڑے دکھ درد کی بات ہے، یہ سوچئے کہ جو مسئلہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں بتایا اور نہ کیا، ائمہ کرام رحمہم اللہ نے نہ بتایا اور نہ کیا، تو آپ کو اتنے سال بعد اس کا علم کہاں سے ہو گیا ہے؟ یہی کہنا پڑے گا کہ دلوں میں شیطان وحی ڈالتا ہے، قرآن کریم میں ہے کہ شیطان بھی دلوں میں وحی کرتا ہے، تو ایک وحی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر

اور دوسری وحی فاسق و فاجر لوگوں کے دلوں میں شیطان ڈالتا ہے، ان کے دلوں میں برائی کے خیالات ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کے لیے، غیر دین کو دین سمجھانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے وہ مسئلہ نہیں بتایا اور بقول آپ کے وہ ثواب ہے تو کیا کہیں گے؟ یا تو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کا علم ناقص کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ اس میں بھی ثواب ہے؛ مگر آپ کو پتہ چل گیا کہ اس میں ثواب ہے، یا یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تو ہے کہ اس میں ثواب ہے؛ مگر جان بوجھ کر اپنی رضا کا طریقہ کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس چھپالیا، بتایا نہیں، اب اتنا زمانہ گزرنے کے بعد آپ کو اس کا پتہ چل گیا، تو اب سوال یہ ہے کہ اس کا پتہ آپ کو کیسے چلا؟ اللہ میاں نے چھپالیا تو اللہ میاں کے پاس کی بات کا آپ کو کیسے علم ہو گیا؟

یا یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ مسئلہ بتایا تھا؛ مگر معاذ اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سمجھے نہیں، یا سمجھنے کے بعد بھول گئے، غرضیکہ معاذ اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کا علم نہیں تھا، معاذ اللہ! آپ کا علم ناقص تھا، آپؐ کو معلوم نہیں تھا کہ ان چیزوں میں بھی ثواب ہے، جن چیزوں کو ہم ثواب بنائے ہوئے ہیں، اگر علم تھا تو کیا دوسرے درجہ میں آپ یہ کہیں گے کہ معاذ اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے دین پہنچانے میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! خیانت کی ہے کہ دین پورا پہنچایا نہیں؟ یا یہ کہیں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دین کو آگے نہیں پہنچایا اور نہ خود اس پر عمل کیا، ایک بات سوچیے آخر کار آپ کا ذہن کیا جواب دے گا؟ آیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الٰہیہ پہنچانے میں خیانت کی ہے؟ یا یہ کہ معاذ اللہ! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آگے دین پہنچانے میں خیانت کی، کس چیز کا آپ فیصلہ کریں گے؟

خدا کے لیے غور کر لیجئے، پھر غور کیجئے، بڑے سے بڑا فسق و فجور ہو، بڑے سے بڑا گناہ ہو، بڑے سے بڑا بدکردار انسان ہو، وہ کم ہے اس بدعت اور اس گناہ سے جو ہے گناہ؛ مگر اس کو ثواب سمجھ رہے ہیں۔

غیر دین کو دین سمجھ لینا اور جو بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی، اس بات کو ان کی طرف منسوب کر دینا کہ یہ بھی ان ہی کی طرف سے بیان کی ہوئی ہے، اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو بات میں نے نہیں کہی، اسے جو شخص میری طرف منسوب کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

سوچیں! جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ثواب نہیں بتایا اگر ان کو ثواب سمجھیں گے تو آپ متوازی حکومت بنا رہے ہیں کہ نہیں بنا رہے ہیں؟ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے مقابلہ میں آپ اپنی حکومت چلانا چاہتے ہیں، دین ان کا ہے حکومت ان کی ہے، انہوں نے کوئی قانون ایسا نہیں بنایا تو گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلہ میں اپنا قانون بنالیں، اس کو بغاوت کہا جاتا ہے، متوازی حکومت قائم کرنا کہا جاتا ہے، بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کیا جا سکتا ہے مگر جو مقابلہ کی حکومت بنائے اس کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

سوچئے، اس مضمون کو پڑھنے کے بعد سوچئے اور کئی روز تک مسلسل سوچیں گے تو شاید جا کر کچھ بات دل میں اتر جائے، اور خدا کرے کہ بات دلوں میں اتر جائے، سمجھ میں آجائے اور اس پر اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

(محمد رفعت قاسمی)

جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردّد ہو

لہٰذا سعادت مندی یہی ہے کہ سنت کے مطابق عمل کیا جائے اور بدعات سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے؛ بلکہ جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو، ایسے فعل کو بھی چھوڑ دیا جائے، اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے: ”وَ مَا تردد بین البدعة والسنة یترک؛ لان ترک البدعة لازم“ یعنی: جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہوا سے چھوڑ دیا جائے گا؛ اس لیے کہ بدعت کا چھوڑنا لازم اور ضروری ہے۔

(فتح القدیر: ج۱،ص۴۵۵، باب سجود السہو)

بحرالرائق میں ہے: ”ان الحکم اذا تردد بین سنةٍ و بدعةٍ کان ترک البدعة راجحًا علی فعل السنة“

یعنی: جب کسی حکم کے متعلق سنت اور بدعت ہونے میں تردد ہو تو بدعت کو چھوڑنا سنت پر عمل کرنے کی بہ نسبت بہتر اور راجح ہوگا۔ (البحر الرائق: ج۲،ص۳۰)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”و ما تردّد بین البدعة والسنة یُترک“

جس چیز کے متعلق تردد ہو کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ (فتاویٰ

عالمگیری: ج۱،ص۱۷۹)

شامی میں ہے: اذا تردّد الحکم بین سنة و بدعة کان ترک السنة راجحًا علی فعل البدعة" جب کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو سنت کو چھوڑنا اس بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ (شامی: ج۱،ص۶۰۰،مکروہات الصلوٰۃ)

یہاں تک ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی بات دل میں آئے اور اسے وہ بات اچھی معلوم ہو تو اس پر فوراً عمل شروع نہ کردے، تاآنکہ یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ بات سنت کے موافق ہے، حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا ینبغی لمن اُلھم شیئًا من الخیرات یعمل به حتی یسمع به فی الاثر فیحمد للّٰہ تعالٰی اذا وافق السنة" یعنی جس شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر عمل نہ کرے، جب تک کہ اس کا آثار کے موافق ہونا معلوم نہ ہو جائے، اگر آثار میں اس کا وجود ملے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ جو بات اس کے دل میں آئی وہ آثار کے مطابق ہوئی۔ (احیاء العلوم: ج۱،ص۸۶/مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم: ج۱،ص۹۳/فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۳۷۷)

سنت کس کو کہتے ہیں؟

مسئلہ جب کسی چیز کو سنت کہتے ہیں تو اس کے معنی ہی ہیں کہ ہم اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتے ہیں، کسی ایسی چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کی ہو، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہو، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اور نہ تابعینؒ نے جو کہ اتباع سنت کے سب سے بڑے عاشق تھے، اس پر عمل کیا ہو۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۲۳)

مسئلہ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کا مذاق اڑنے والا کافر ہے، اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو مذاق اڑانے کے بعد وہ مرتد ہو گیا یعنی اسلام سے پھر گیا۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص۵۱)

فرائض، واجبات، مسنونات اور مستحبات کس کو کہتے ہیں؟

سوال فرض، واجب، مستحب، مکروہ، مباح اور حرام ان کے معنی و مطلب کیا ہیں؟

جواب ۱۔فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، یعنی اس کے ثبوت میں شک و شبہ نہ ہو، جیسے مثلاً قرآن شریف سے ثابت ہو، بلا عذر اس کا تارک (چھوڑنے والا) فاسق اور عذاب کا مستحق ہے اور فرضیت کا منکر کافر ہے۔

فرض دو طرح کے ہیں:

(الف) فرض عین: وہ ہے جس کی ادائیگی سب کے ذمہ ضروری ہو، جیسے نمازِ پنجگانہ وغیرہ۔

(ب) فرضِ کفایہ: وہ ہے جس کی ادائیگی تمام کے ذمہ نہیں، ایک دو کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہ گار ہوں گے، جیسا کہ نمازِ جنازہ وغیرہ (درمختار)

۲۔واجب: وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، اس کا تارک (چھوڑنے والا) عذاب کا مستحق ہے، اس کا منکر فاسق ہے کافر نہیں۔

۳۔سنت: وہ کام جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کیا ہو اور اس کی تاکید کی ہو، پھر سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنت مؤکدہ، (۲) سنت غیر مؤکدہ۔

سنت مؤکدہ: وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ہمیشہ کیا ہو، یا کرنے کی تاکید کی ہو اور بلا عذر کبھی ترک نہ کیا (چھوڑا) ہو، اس کا حکم بھی عملاً واجب کی طرح ہے، یعنی بلا عذر اس کا تارک گنہگار ہوگا اور ترک کا عادی سخت گنہگار اور فاسق ہے، یہ شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہے گا۔

(درمختار شامی: ج۵، ص۲۹۵)

اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: سنت عین اور سنت کفایہ۔

۱۔سنت عین: وہ ہے جس کی ادائیگی ہر مکلف پر سنت ہے جیسا کہ نماز تراویح وغیرہ۔

۲۔سنت کفایہ: وہ جس کی ادائیگی سب پر ضروری نہیں یعنی بعض کے ادا کرنے سے

ادا ہو جائے گی اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے جیسا کہ مسجد میں جماعت تراویح وغیرہ۔ (شامی: ج۱،ص۵۰۲)

(ب) سنت غیر مؤکدہ: وہ ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے اکثر مرتبہ کیا ہو؛ مگر کبھی کبھار بلا عذر ترک کیا ہو، اس کے کرنے میں بڑا ثواب ہے اور ترک کرنے میں گناہ نہیں، اس کو سنت زوائد اور سنت عادیہ بھی کہا جاتا ہے۔

(شامی: ج۱،ص۹۵)

۴۔ مستحب: وہ کام ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کبھی کیا ہو اور اس کو سلف صالحین نے پسند کیا ہو۔ (شامی: ج۱،ص۱۵۵) اس کے کرنے میں ثواب ہے نہ کرنے میں گناہ بھی نہیں، اس کو نفل مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔

(شامی: ج۱،ص۹۵)

۵۔ حرام: وہ ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر ہے اور بلا عذر اس کا مرتکب فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

۶۔ مکروہ تحریمی: وہ ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو، بلا عذر اس کا مرتکب گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے، اور اس کا منکر فاسق ہے۔ (شامی: ج۵،ص۲۹۴)

۷۔ مکروہ تنزیہی: وہ ہے جس کے ترک میں ثواب اور کرنے میں عذاب نہیں؛ مگر ایک قسم کی قباحت ہے۔

۸۔ مباح: وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب نہیں اور ترک کرنے میں گناہ اور عذاب بھی نہیں۔ (شامی: ج۵،ص۲۹۴، فتاویٰ رحیمیہ: ج۲،ص۳۱۲)

۲۲ رجب کے کونڈوں کی حقیقت کیا ہے؟

مسئلہ کونڈوں کی مروّجہ رسم محض بے اصل، خلاف شرع اور بدعت ممنوعہ ہے؛ کیونکہ بائیسویں رجب کو نہ حضرت امام جعفر صادق کی تاریخ پیدائش ہے اور نہ تاریخ وفات، آپ کی ولادت آٹھ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

۲۲ رجب کو حضرت امام معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔

درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہؓ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے؛ کیونکہ

جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی اس وقت اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا؛ اس لیے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی (مٹھائی وغیرہ) بطور حصہ علانیہ تقسیم نہ کی جائے، تاکہ راز فاش نہ ہو؛ بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے گھر جا کر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے، جب اس کا راز کھلا تو اس کو حضرت امام جعفر کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت امام موصوف پر لگائی کہ انہوں نے خود اس تاریخ میں فاتحہ کا حکم فرمایا، حالانکہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں؛ لہٰذا برادرانِ اہل سنت کو اس رسم سے بہت دور رہنا چاہیے، نہ اس رسم کو بجالائیں، اور نہ اس میں شرکت کریں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۲۱، احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۶۸)

مسئلہ ماہِ رجب کو عام لوگ "مریم روزہ کا چاند" بھی کہتے ہیں اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے، شرع میں اس کی کوئی قوی اصل نہیں، اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے تو اختیار ہے، اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں ثواب دیں، اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے، بعض جگہ اس مہینے میں تبارک کی روٹیاں بھی پکتی ہیں، یہ بھی گھڑی ہوئی بات ہے، شرع میں اس کا کوئی حکم نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی ثواب کا وعدہ ہے؛ اس لیے ایسے کاموں کو دین کی بات سمجھنا گناہ ہے۔

(بہشتی زیور: ج۶، ص۶)

مسئلہ ماہِ صفر کو "تیرہ تیز" کہتے ہیں اور اس مہینے کو خاص کر عورتیں نامبارک جانتی ہیں اور بعض جگہ صفر کی تیرہویں تاریخ کو کچھ گھونگیاں وغیرہ پکا کر بانٹتی ہیں کہ اس سے نحوست سے حفاظت رہے، یہ سارے اعتقاد شرع کے خلاف ہیں، توبہ کرنی چاہیے۔

(بہشتی زیور: ج۶، ص۵۹)

مسئلہ بعض عورتوں کی عادت ہے کہ وہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی تاریخ میں کھیر پکا کر کنڈے بھرتی ہیں اور بچوں کو کھلاتی ہیں۔

ایصالِ ثواب کے لیے تاریخ متعین کرنا اور اس میں غیر ضروری چیزوں کو ضروری سمجھنا خلافِ شرع ہے، کنڈے بھرنے کا ثبوت شریعت میں کہیں نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص۲۱۸، ونظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۴۷)

مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال عیدین، نصف شعبان، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ اور دیگر مبارک راتوں میں جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لیے جمع ہوتے ہیں اور بعض مساجد میں تقریر کا بھی اہتمام ہوتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب ان مبارک راتوں میں مساجد میں آکر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:

۱۔ مسجد میں آکر عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کیا؛ بلکہ اتفاقاً مسجد میں آکر تلاوت و ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے؛ لیکن یہ نوافل اور ذکر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا؛ بلکہ مسجد حرام و مسجد نبوی کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے۔

۲۔ مسجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا ہو، یہ بدعت ہے اس لیے کہ نوافل کے لیے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب کا باعث سمجھتا ہے اور یہ شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے؛ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے؛ اس لیے کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

۳۔ مبارک راتوں میں مسجد میں عبادت کرنے کا اہتمام ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے مثلاً نوافل کی جماعت کی جائے یا تقاریر کا اہتمام کیا جائے، یہ صورت بھی بدعت ہے، صورت دوم سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں ایک تو وہی خرابی ہے جو نمبر۲ میں مذکور ہوئی، دوسری خرابی یہ ہے کہ نفلی عبادت کے لیے ہیئت اجتماعیہ پیدا کر لی جو شرعاً ممنوع ہے۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ”گھروں میں شور ہوتا ہے، بچے روتے ہیں، جس کی وجہ سے دلجمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا“ یہی شیطان کا فریب (دھوکہ) ہے، دراصل خشوع و خضوع بھی حاصل ہے، اور اگر خلاف سنت لاکھ آہ و بکا اور ہیئت خشوع اختیار کریں تو بھی شریعت کی نظر میں اس کو خشوع نہیں کہا جاتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود تہجد وغیرہ میں نوافل گھر میں پڑھیں اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہوں اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے حجرہ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے پاؤں پھیلائے ہوئے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپ سجدہ کرنے لگتے، ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پھر اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں، رات اندھیری، گھر میں انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کر سکے اور مسجد نبوی اتنی قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد نبوی میں پہنچ گئے، پھر مسجد بھی مسجد نبوی ہے، جس کا فضل ظاہر ہے، اس کے باوجود محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے، مسجد میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔

نیز بعض حضرات یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے نیند جلدی آجاتی ہے اور اگر مسجد میں ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ذکر ونوافل میں لگ جائیں، کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ ہو تو نیند ختم ہو جاتی ہے، اس طرح بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے، اگر گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اس کا آدھا نہ کر پاتے۔

خوب سمجھ لیں تکثیر عبادت یا اس کی کمیت مقصود ہی نہیں؛ بلکہ عبادت کی کیفیت پر سارے ثواب کا دارومدار ہے، اگر تھوڑی عبادت کر لی تو یہ اس عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو، نوافل وغیرہ میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو اور طبیعت اُکتا جائے تو آرام کر لے، حدیث شریف سے یہ ثابت ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱، ص ۳۷۳، بحوالہ شامی: ج۱، ص ۶۴۲، اغلاط العوام: ص ۱۱۷)

متبرک راتوں میں بیداری کے لیے جمع ہونا

مسئلہ شب برأت اور شب قدر کی تلاش اور عبادت کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ اور بدعت ہے، جو شخص رات بھر نماز پڑھے؛ مگر ثواب کی نیت نہ ہو یا گناہوں سے نہ بچتا ہو تو اس کو بیداری کے تکان کے علاوہ کوئی ثمرہ اور ثواب حاصل نہ ہوگا، یہی حال ہر عبادت کا ہے، یعنی وہ عبادت جو دکھلاوے کے لیے ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص ۱۷)

مسئلہ شب برأت کو حلوہ پکانا، گھروں کی صفائی کا اہتمام کرنا اور اس شب میں گھر و قبرستان میں چراغاں کرنا، عود اور اگربتی سے معطر کرنا اور ان امور کو سنت کہنا بے دلیل ہے، اور اس رات میں بزرگوں کی ارواح کے گھر پر آنے کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے، جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۱۸۲)

مسئلہ شب برأت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگربتی جلانا رسم جہالت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۳۲۳)

مسئلہ شب برأت کی رات میں نفلی عبادت کرنا، پھر دن میں روزہ رکھنا، موقع مل جائے تو چپکے سے قبرستان جا کر مُردوں کے لیے دعاء خیر کرنا، یہ کام تو کرنے کے ہیں؛ مگر باقی آتشبازی کرنا، نفل کی جماعت کرنا، قبرستان میں جمع ہو کر تقریب کی صورت بنانا، حلوہ کا التزام کرنا وغیرہ اور جو غیر ثابت امور رائج ہوں، وہ سب ترک کرنے کے ہیں۔

مسئلہ شب برأت میں حلوہ پر حضرت اویس قرنیؒ کے نام کی فاتحہ کا التزام کسی دلیل سے ثابت نہیں، اگر یہ چیزیں ثواب کی ہوتیں تو ضرور کتاب و سنت، اجماع، قیاس اور مجتہدین سے ثابت ہوتیں، اور جب ثابت نہیں تو پھر ان کو دین کا کام سمجھنا بدعت اور قابل رد ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۴۰۵)

مسئلہ شب برأت میں تہجد کی نماز با جماعت اعلان کر کے اس مقصد سے پڑھنا کہ جو بے نمازی ہیں، اس میں شریک ہو کر ثواب کے مستحق ہو جائیں گے، ایسا کرنا مکروہ و ممنوع ہے، بے نمازیوں کو تبلیغ و تاکید کی جائے کہ وہ نماز کی پابندی کریں۔ ترک فرض کو برداشت کیا جائے اور مکروہ کے ارتکاب کی دعوت دی جائے نہ دانشمندی کی بات ہے نہ شرع کی طرف سے اس کی اجازت، اس رات میں عبادت کے لیے جمع ہونا بھی منع ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۴۳۱)

مسئلہ مذکورہ شب میں چراغاں اور مٹی کے دیے طاق وغیرہ میں رکھنے کی جو رسم ہے، وہ بالکل ناجائز اور بدعت ہے۔ اور دیوالی کی پوری نقل ہے، مساجد میں بھی نمازیوں کی ضرورت سے زیادہ رسماً و رواجاً روشنی کرنا اسراف و حرام ہے، اگر متولی مسجد کے مال میں سے کرے گا تو اس کو تاوان دینا ہوگا، شب برأت وغیرہ راتوں کا بھی یہی حکم ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۲، ص۲۸۸)

بارہ ربیع الاول کی شب میں چراغاں کرنا

مسئلہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور توقیر آپ ؐ سے محبت وعقیدت اصل ایمان ہے، جس بدنصیب کے دل میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت نہیں، وہ درحقیقت ایمان ہی سے نا آشنا ہے، قرآن وحدیث نے جہاں ہم کو بتلایا ہے کہ آپ ؐ سے محبت وعقیدت رکھنا ایمان کی جڑ ہے، وہیں ہم کو محبت وعقیدت کا طریقہ بھی بتلایا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کرکے دکھلا بھی دیا ہے۔

بارہ ربیع الاول کو چراغاں کرنا اگر خیر وبرکت کی چیز ہوتی، تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو بیان فرما دیتے اور صحابہ کرامؓ دل کھول کر چراغاں کرتے؛ لیکن آپ ؐ نے ایسا نہیں کیا اور نہ اس کا حکم فرمایا، نہ کسی صحابیؓ وتابعیؒ نے چراغاں کیا، ائمہ مجتہدین نے بھی نہیں کیا، اولیاء کرام مثلاً خواجہ معین الدین چشتیؒ، غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ وغیرہ میں سے کسی بزرگ نے بھی چراغاں نہیں کیا اور نہ اس کی اجازت دی۔

اگر چراغاں کرنا واقعی ثواب اور ذریعۂ خیر وبرکت ہوتا تو یہ سب حضرات جو ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت رکھنے والے تھے، ضرور بالضرور چراغاں کرتے، خیر القرون میں چراغاں کا نہ کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس رات میں چراغاں کرنا ثواب کی چیز نہیں ہے؛ لہٰذا اس عمل کو ذریعۂ قرب وثواب سمجھنا بدعت ومعصیت ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ نے متبرک راتوں میں چراغاں کرنے کو بدعت وحرام اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت قرار دیا۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۲۴، تفصیل دیکھئے آپ کے مسائل: ج۸، ص۱۴۳)

ربیع الاول کی رسمیں

کیا محبت نبوی ؐ کے تقاضے یہی ہیں؟

ربیع الاول کے مہینہ میں بہت جگہ میلاد (جشن، جلسہ، جلوس کا) اہتمام ہوتا ہے،

صاحبو! اس میں تو خدا اور رسولؐ پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا؛ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو دین میں نہیں رکھا، نعوذ باللہ من ذٰلک، غرض عید میلاد النبی پر آج کل یہ رنگ چڑھایا گیا ہے۔ اور مقصود اس سے وہی قومی شوکت کا اظہار ہے، رہی دعاء تو وہ نمازوں کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور صرف دعاء کے لیے جو جلسے کیے جاتے ہیں (عموماً) ان میں زیادہ تو ایسے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے، بس محض اس واسطے کہ اپنا نام ہو۔ یہ انگریزی خوانوں کا حال تھا، بے چارے اپنی اس ایجاد کا اس سے زیادہ جواب نہیں دے سکتے کہ اس میں قومی مصلحت ہے؛ مگر کوئی شرعی دلیل بیان نہیں کرتے۔

ربیع الاول کے منکرات اور علماء اہل سنت والجماعت

بارہ ربیع الاول کے موقع پر جو خرافات و منکرات لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں، کیا وہ منع کے قابل نہیں ہیں؟ آپ تو اس کی ممانعت سے وحشت کرتے ہیں جس کی کوئی اصل بھی قرآن و حدیث میں نہیں؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس درخت کو کہ جس کی ایک درجہ میں فضیلت قرآن مجید میں خود موجود ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ؕ محض اس لیے جڑ سے کٹوا دیا تھا کہ لوگ اس کی زیارت کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔

صاحبو! جو اساطین امت (علماء حق اہل سنت والجماعت) ہیں وہ دین کی خرابی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، وہ محض اپنی بدنامی کے خوف سے ہرگز خاموش نہیں ہو سکتے، اگرچہ ان سے کوئی ناراض ہو، اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق سن کر کوئی ناراض نہیں ہوتا اگر سمجھا کر کہا جائے، زیادہ تر تو جو لوگ ناراض ہوتے ہیں، اس کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناصح (سمجھانے والے) ادھوری بات کہتے ہیں جس سے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل اصل ہی کے منکر ہیں، پوری بات کہنے والے سے کوئی نہیں بگڑتا، اور اگر کوئی پوری بات کہنے پر بھی بگڑے تو اس میں خود زیغ (کجی اور گمراہی) ہے۔

عید میلاد النبیؐ کی رسم

اب ایک ترقی اور ہوتی ہے کہ "۱۲ ربیع الاول" کو لوگ عید منانے لگے ہیں، اور اس

کا نام رکھا ہے ''عید میلاد النبیؐ'' میلاد کے متعلق تو علماء نے مستقل رسالے لکھے ہیں جیسے ''براہین قاطعہ'' وغیرہ اور احقر نے بھی اصلاح الرسوم میں مفصل بحث لکھی ہے؛ لیکن اس نئی رسم کے متعلق جس کا نام ''عید میلاد النبیؐ'' رکھا گیا ہے، اب تک کوئی رسالہ نظر سے نہیں گزرا، مفصل بحث اس کے متعلق (دلائل شرعیہ کی روشنی میں کہیں) نہیں کی گئی، آج اس کے متعلق بیان کرنے کا ارادہ ہے۔

عید میلاد النبیؐ کی ایجاد

ایک بہت بڑی غلطی (اس ماہ میں) عید میلاد النبیؐ کی ایجاد ہے اور یہ ایک مسلمان بادشاہ کی ایجاد ہے، اس نے عیسائیوں کے مقابلہ میں اس کو ایجاد کیا تھا کہ جیسے ان کے یہاں بڑے دن میں خوشی ہوتی ہے، رونق ہوتی ہے، اسی طرح ہم بھی کریں گے۔ اور اس بادشاہ کی یہ رائے غلط تھی اور اس کا عمل کو سنت (اور شریعت) کے خلاف تھا؛ مگر اس کے اہتمام سے غرض حاصل تھی اور اب تو وہ بھی نہیں۔ کیا مٹھائی تقسیم کر دینے سے یا لوگوں کے جمع ہونے سے (غیر قوموں کا مقابلہ اور) ان کا توڑ ہو سکتا ہے؟

حضرات! اسلام کو ان عارضی شوکتوں کی ضرورت نہیں، اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے نیا لباس بدلنے کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ: "نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ" (کہ ہم مسلمان ایسی قوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزت بخشی ہے)

صاحبو! اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے، ہماری عزت سامان سے نہیں ہے، اگر ہے تو بے سروسامانی سے ہماری عزت ہے۔

عید میلاد النبیؐ شرعی دلائل کی روشنی میں

کسی زمانہ میں جس قدر فضیلت زیادہ ہوتی ہے اسی زمانہ میں حدود شرع سے تجاوز کرنا اللہ اور رسولؐ کو اسی قدر زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے اور حدود شرع سے تجاوز کرنے کا معیار صرف شرعی دلائل یعنی کتاب وسنت اور اجماع وقیاس مجتہد ہے۔

اور ان سب دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں جو اعمال بعض لوگوں

میں رائج اور شائع ہو گئے ہیں، مثلاً عید میلاد (یعنی عید کی طرح خوشی منانا، جلوس نکالنا، خوب روشنی کرنا، جھنڈے نصب کرنا وغیرہ ذٰلک) یہ سب حدود سے تجاوز کے افراد ہیں (ان سب کی تفصیل آگے آ رہی ہے) پس لامحالہ یہ سب اللہ و رسولؐ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہوں گے۔

بدعت کی پہچان

بدعت کی ایک پہچان بتلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو بات قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس، چاروں میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے، وہ بدعت ہے، اس کی پہچان کے بعد دیکھ لیجئے کہ ہمارے بھائیوں کے جو اعمال ہیں (مثلاً یہی بارہ ربیع الاول کی رسمیں، عید میلاد النبی اور عرس وغیرہ) جتنے اعمال ہیں کسی اصل سے ثابت نہیں ہیں، اور ان کو دین سمجھ کر کیا جاتا ہے، یا نہیں؟ بدعت کی قباحت کا راز یہ ہے۔

اس میں اگر غور کیا جائے تو پھر بدعت کے منع ہونے میں تعجب نہ ہو، روزمرہ میں اس کی مثال دیکھئے، اگر کوئی صاحب جو گورنمنٹ کے اطاعت گذار بھی ہوں وہ گورنمنٹ کے قانون کو طبع کریں اور اخیر میں ایک دفعہ (قانون) کا اضافہ کر دیں، اور (وہ قانون اضافہ شدہ) ملک و سلطنت کے لیے بے حد مفید بھی ہو، تب بھی اس کو جرم سمجھا جائے گا اور یہ شخص سزا کا مستحق ہوگا، پس جب دنیا کے قانون میں ایک قانون کا اضافہ جرم ہے، تو قانونِ شریعت میں ایک دفعہ (قانون) کا اضافہ جس کو شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں، کیوں جرم نہ ہوگا؟

سنت و بدعت کا شرعی فیصلہ کن ضابطہ

ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ جتنی چیزیں خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئی ہیں، ان میں سے کون سی بدعت ہے اور کون سی مندوب و مستحب اور شریعت سے ثابت ہیں، اور اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اس خوشی کے ظاہر کرنے کا کوئی مقبول (پسندیدہ) طریقہ ہے یا نہیں، اور یہ مروّجہ طریقہ بدعت ہے یا نہیں۔

ایجاد کردہ چیزوں کی پہلی قسم

پس جاننا چاہیے کہ خیر القرون کے بعد جو چیزیں ایجاد کی گئیں، ان کی دو قسمیں ہیں:
ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے (یعنی خیر القرون میں اس کی ضرورت کے اسباب نہیں پائے گئے) اور وہ کسی مامور بہ کی موقوف علیہ ہیں (یعنی کوئی شرعی حکم اس پر موقوف ہے) کہ ان کے بغیر اس شرعی حکم پر عمل نہیں ہوسکتا، جیسے دینی کتابوں کی تصنیف اور مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر کہ حضورؐ کے زمانے میں ان میں سے اس انداز کی کوئی شی نہ تھی اور ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور نیز یہ چیزیں ایسی ہیں کہ شرعی حکم ان پر موقوف ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے، اس کے بعد سمجھئے کہ خیر القرون میں دین کی حفاظت کے لیے جدید واسطوں میں سے کسی شی کی ضرورت نہ تھی، قوت حافظہ اس قدر قوی تھا کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا، فہم ایسی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں، تدین وتقویٰ بھی غالب تھا۔

اس کے بعد دوسرا زمانہ آیا، غفلتیں بڑھ گئیں، قویٰ کمزور ہو گئے، ادھر اہل ہواء (یعنی خواہش پرستوں) اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا، تدوین مغلوب ہونے لگا، پس علماء امت کو دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا۔ پس اس کی ضرورت واقع ہوئی کہ دین کے تمام اجزاء کی تدوین کی جائے، چنانچہ دینی کتابیں: حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد میں کتابیں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے؛ اس لیے کہ اس کے بغیر دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی، پس یہ وہ چیزیں ہوئیں کہ ان کا سبب جدید ہے کہ خیر القرون میں (یعنی صحابہؓ وتابعینؒ کے عہد میں) نہ تھا، اور دین کی حفاظت اس پر موقوف ہے۔ پس یہ اعمال گو صورۃً بدعت ہیں؛ لیکن حقیقت میں بدعت نہیں؛ بلکہ اس قاعدے سے "مقدمة الواجب واجب" (یعنی واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے، اس قاعدہ سے یہ چیزیں) واجب ہیں۔

ایجاد کردہ چیزوں کی دوسری قسم

دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے (یعنی خیر القرون عہد نبویؐ، عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں بھی وہ سبب موجود تھا) مثلاً مروّجہ میلاد کی مجلسیں، تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ بدعات کہ ان کا سبب قدیم ہے، مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ پر خوشی ہے اور یہ سبب حضورؐ کے زمانہ میں بھی موجود تھا؛ لیکن حضورؐ نے یا صحابہؓ نے مجلسیں منعقد نہیں کیں، کیا نعوذ باللہ! صحابہؓ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا تھا؟ اگر اس کا سبب اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ان کا منشاء موجود نہ تھا؛ لیکن جب اس کا باعث اور اس کی بنیاد موجود تھی، پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضورؐ نے کبھی میلاد کی مجلس منعقد کی، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ایسی شی کا حکم یہ ہے کہ وہ صورۃً بھی بدعت ہیں اور معنیً بھی۔

یہ قاعدہ ہے سنت اور بدعت کے پہچاننے کا، اس سے تمام جزئیات (اور اختلافی مسائل) کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے اور دونوں قسموں میں ایک عجیب فرق ہے، وہ یہ کہ پہلی قسم کی تجویز کرنے والے خواص علماء ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے، اور دوسری قسم کی تجویز کرنے والے عوام ہوتے ہیں، اور وہی اس میں ہمیشہ تصرف کرتے ہیں، چنانچہ میلاد شریف کی مجلس کو ایک بادشاہ نے ایجاد کیا ہے، اس کا شمار بھی عوام ہی میں سے ہے، اور عوام ہی اب تک اس میں تصرف کر رہے ہیں۔

عید منانا ایک شرعی حکم

عید ایک ایسا زمانہ ہے جس میں ہم کو بشاشت (یعنی خوشی ظاہر کرنے) کا حکم ہے اور چونکہ یہ دینی خوشی ہے اس لیے اس کے ظاہر کرنے کا طریقہ بھی دین ہی سے معلوم کرنا چاہئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خوشی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک دنیا کی خوشی، ایک دین کی خوشی۔ سو دین کی خوشی پر کسی خاص ہیئت (یعنی کسی خاص طریقے سے) خوشی منانا، یہ وحی کا محتاج ہے، یعنی اگر ہم کسی مذہبی خوشی میں کسی خاص طریقہ سے خوشی منانا چاہیں تو ہم کو دیکھنا چاہئے کہ شریعت نے اس موقع پر عید کرنے اور خوشی منانے کی ہم کو اجازت دی ہے یا

نہیں؛ کیوں کہ اس میں اپنی رائے اختراع کرنا (یعنی گھڑ لینا) ایک بڑے مفسدہ (اور خرابی) کو متضمن ہوگا یعنی چونکہ اس کی اصل بناء دِین ہے؛ اس لیے عوام اس گھڑے ہوئے طریقہ کو بھی دین سمجھیں گے اور یہ بہت بڑا مفسدہ ہے؛ البتہ دنیا کی خوشی جب کہ اس میں کسی اور خرابی کا اندیشہ نہ ہو، خود اپنی تجویز سے بھی ہوسکتی ہے۔

آج کل ہندوستان میں ہمارے بھائیوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم ولادت (یعنی ۱۲ ربیع الاول) کو یوم عید منانے کی تجویز کی ہے، اور یہ خیال ان کے ذہن میں دوسری قوموں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر جو اپنے مذہب کے اکابر (مقتداء و پیشوا) کے ساتھ کرتے ہیں، پیدا ہوا ہے؛ لیکن اس قاعدۂ مذکورہ کی بناء پر لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یوم ولادت (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن) کی خوشی دنیوی خوشی نہیں ہے؛ بلکہ یہ مذہبی خوشی ہے، پس اس کے طریقہ کے متعین کرنے کے لیے وحی الٰہی کی اجازت ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دِن مذہبی خوشی ہے

اب اس کی دلیل سنئے کہ یوم ولادت (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن) مذہبی خوشی ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا اطلاق اس خطۂ زمین پر یا زیادہ سے زیادہ چند فرسخ (چند میل، کلومیٹر) اوپر ہوا پر ہوتا ہے، بس اگر کوئی دنیوی خوشی ہوگی تو اس کا اثر اسی خطۂ زمین تک محدود رہے گا، اس سے آگے نہ بڑھے گا، اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن نہ صرف زمین کی موجودات، بلکہ ملائکہ، عرش، کرسی اور باشندگان عالمِ بالا سب کے سب مسرور اور شاد ماں (یعنی خوش) تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کفر وضلالت کو ختم کرنے والی اور توحید حق کی حامی تھی، جس کی بدولت عالم کا قیام ہے، آپ کا ظہور چونکہ تمام عالم کے بقاء کا سبب تھا؛ اس لیے تمام عالم میں یہ خوشی ہوئی، جب اس (خوشی) کا اثر دنیا سے آگے بڑھ گیا تو اس خوشی کو دنیوی خوشی نہیں کہہ سکتے، جب یہ دنیوی خوشی نہیں ہے؛ بلکہ مذہبی خوشی ہے تو اس میں ضرور ہر طرح سے وحی (یعنی حکم الٰہی) کی ضرورت ہوگی، یعنی اس کے وجود میں بھی اور اس کی کیفیت (اور طریقہ) میں بھی، اب مجوزین (یعنی عید میلاد النبیؐ کے قائلین) ہم کو دکھلائیں

کہ کسی وحی سے یوم ولادت کے یوم العید (یعنی آپ ﷺ کی پیدائش کے دن کو عید منانے کا) حکم معلوم ہوتا ہے؟ اور اس کی کیا صورت بتلائی گئی ہے؟

شریعت میں صرف دو عیدیں ہیں تیسری کوئی عید نہیں

لوگوں نے عید میلاد النبیؐ کو اپنی طرف سے مخترع کر (گھڑ) لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو عیدیں دی ہیں، عید الفطر، عید الاضحیٰ، اور لوگوں نے تیسری عید اور ایجاد کر لی، یہ تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھا خاصا معارضہ (اور مقابلہ) ہو گیا، اس کی ایسی مثال ہے جیسے انگریزی قانون کے موافق تعطیلیں (سرکاری چھٹیاں) مقرر ہوں اور کاتب یا ٹائپ پریس والوں نے ایک تعطیل اور بڑھا دی کہ جس روز کلکٹر صاحب کا تقرر ہوا تھا اس روز بھی تعطیل کر دی جائے؛ کیونکہ بڑے حاکم ہیں؛ اس لیے ان کے تقرر کی خوشی میں مناسب ہے کہ تعطیل کر دی جائے، تو اب اہل قانون سے جا کر پوچھ لو، وہ بتلائیں گے (کہ یہ شخص مجرم ہے یا نہیں) اس پر سخت مقدمہ قائم ہوگا، سو اچھی خوشی منائی کہ جن کے تقرر کے لیے یہ کاروائی کی، وہی مقدمہ قائم کرتے ہیں، خوشی کرنا بری بات نہیں سمجھی گئی؛ لیکن اس میں ایک دوسرا جزو مذموم (یعنی بہت برا) ہے اور گورنمنٹ کے مقرر کردہ احکام میں رعایا کا تبدیلی (کمی بیشی) کرنا ہے جس کی وجہ سے مجموعہ فاسد ہو گیا اور یہ مقدمہ قائم ہو گیا۔

اسی طرح ''بارہ ربیع الاول'' میں عمدہ کھانا پکانا، کپڑے بدلنا، خوشی منانا، ان امور پر اپنی ذات کے اعتبار سے عتاب نہیں؛ مگر اس امر پر ہے کہ اس میں شریعت کے حکم کو اور قانونِ خداوندی کو بدلنا ہے؛ کیوں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو تیوہار تجویز فرمائے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اب اس کے سوا تیسرا تیوہار تجویز کرنا شریعت کا مقابلہ اور شرع میں تبدیلی کرنا ہے۔ (از افادات: مولانا تھانویؒ۔ بشکریہ ندائے شاہی، مئی ۲۰۰۳)

سوال ربیع الاول میں کونڈا اور عشرہ محرم میں کھچڑا وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

جواب یہ تعینات بدعت ضلالہ ہیں اور کھانے میں نیت اگر ایصال ثواب کی ہے تو کھانا مباح اور صدقہ ہے، اور اگر ان اکابر کے نام پر ہے تو داخل ''**ما اهل لغير الله**'' ہیں (یعنی ایصالِ ثواب کی نیت نہیں تو اولیاء اللہ کے نام پر ہونے کی وجہ سے) حرام ہے

اور ایسے عقائد فاسد، موجب کفر کے ہیں اور ان افعال کو کفر ہی کہنا چاہئے؛ مگر مسلم کے فعل کی تاویل بھی لازم ہے۔

مسئلہ ایصالِ ثواب بلا قید دن دکھانے کے، مندوب ہے اور بہ قید و تخصیص دن کی اور تخصیص کھانے کی بدعت ہے، اگر تخصیص کے ساتھ ایصالِ ثواب ہو تو کھانا حرام نہیں ہوتا، گو اس تخصیص کے ساتھ معصیت ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۳۸، فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۴۲۹)

مولود کا شرعی حکم کیا ہے؟

سوال مولود شریف پڑھنے کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر، اور آپؐ کے موئے مبارک، لباس، نعلین شریفین اور آپؐ کی نشست و برخاست، خورد و نوش، سونے و جاگنے وغیرہ کا بیان کرنا اور سننا مستحب اور نزولِ رحمت و برکت کا موجب ہے؛ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کے ساتھ جس چیز کو بھی تھوڑی بہت مناسبت ہو، اس کا ذکر ثواب سے خالی نہیں؛ مگر جبکہ احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے ثابت ہو اور طریقۂ ذکر بھی سنت کے مطابق ہو۔

ولادت شریفہ کا ذکر بھی ایک عمل ہے، اس کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے کہ بلا پابندئ رواج اور ماہ و تاریخ کی تعیین کے بغیر، کسی ماہ میں، کسی بھی تاریخ میں، مجلس وعظ میں یا پڑھنے پڑھانے کے طور پر یا اپنی مجلس میں یا خود بخود آیاتِ قرآنی اور روایاتِ صحیحہ سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ اور آپؐ کے صفات و کمالات اور معجزات وغیرہ کو بیان کیا جائے، اور واعظ و مقرر بھی باعمل اور متبع سنت اور سچا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہئے، آج کل رسمی مجالس میلاد میں لوگ جمع ہو کر جاہل شعراء کے قصائد اور مصنوعی اور من گھڑت روایات کو بہ رعایت نغمہ و ترنم پڑھتے ہیں، اور اس مذکورہ طریقہ کو ضروری سمجھتے ہیں، یہ خلاف سنت اور بدعت ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۸۲، و احسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۷۰، امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۸۷)

مسئلہ مجلس میلاد میں ذکر ولادت کے وقت قیام کیا جاتا ہے، یہ بھی بے اصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور تابعین و تبع تابعین کے قول و فعل سے قیام ثابت نہیں ہے، یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے، قیام کا التزام بدعت ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۲۰۴، بحوالہ ترمذی شریف: ، واحسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۸۳)

مسئلہ مروّجہ میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے اور نہ خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے؛ بلکہ چھ صدی اس امت پر اس طرح بیت گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص و اتباع میں وزراء اور امراء نے اپنے اپنے انتظام میں مجالس منعقد کیں۔

اسی وقت سے علماء حق نے اس کی تردید ہر زبان میں لکھی اور آج تک تردید کی جا رہی ہے۔

جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محفل میلاد میں تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ بلا دلیل ہے، اور بلا دلیل شرعی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ منسوب کرنا (کہ آپؐ تشریف لاتے ہیں میلاد میں) نہایت خطرناک ہے، اس کی سزا جہنم ہے۔

جانثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں آپؐ کی جس قدر عظمت و محبت تھی وہ کسی کو نصیب نہیں، ان کا طرز عمل یہ تھا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے قیام نہیں فرماتے تھے؛ کیونکہ یہ قیام آپؐ کو ناگوار خاطر تھا، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کی ممانعت کر دی تھی۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۱۸۲، بحوالہ مشکوٰۃ: ص۴۰۳، واحسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۴۸)

محرم و ربیع الاول وغیرہ میں وعظ کا حکم

سوال یہاں پر مساجد میں محرم کی پہلی تاریخ سے دس محرم تک، ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے گیارہویں تک، ستائیسویں رجب کی اور پندرہویں شعبان کی، ستائیسویں

رمضان کی اور نویں ذی الحجہ کی، سال بھر ان ایام کی راتوں میں عشاء کے بعد وعظ ہوتا ہے، ان کے علاوہ نہ کسی کو توفیق ہوتی ہے وعظ کرانے کی اور نہ وعظ کرنے والوں کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ خود وعظ کہیں، کیا یہ تعیین بدعت ہے یا نہیں؟

جواب ایام مذکورہ کی تعیین دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں اور نہ اس کا وجود خیر القرون میں تھا؛ لہٰذا اگر ان ایام میں وعظ کو ضروری سمجھتا ہے یعنی اگر کوئی وعظ میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کی جاتی ہے اور وعظ کہنے اور سننے کے ثواب کو انہیں دنوں کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے۔

آج کل عام طور سے ایام مذکورہ کی تعیین کو ضروری، باعث ثواب سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے بلاشبہ بدعت ہے، فی نفسہ وعظ کہنا بلا کسی التزام کے یا کسی وقتی ضرورت کے لیے جائز ہے، مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ صرف ان ہی اوقات میں وعظ وغیرہ کو ضروری نہ سمجھیں؛ بلکہ احکام الٰہیہ کے سیکھنے کے لیے خاص طور سے اہتمام کریں اور ان دنوں سے اس تعیین کو ختم کر دیں اور مستقل طور سے تبلیغ و تعلیم کا انتظام کریں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ٦، ص ١٣٥)

ماہِ محرم کو سوگ کا مہینہ کہنا

مسئلہ ماہِ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حرام ہے، اور محرم کے مہینہ میں شادی وغیرہ کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا، سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ٣، ص ١٩١، بحوالہ بخاری شریف: ج ٢، ص ٨٠٣، مسلم شریف ج ١، ص ٤٨٦، و مشکوٰۃ ص ٢٨٨)

محرم کا شربت

مسئلہ دس محرم کو ذکر شہادت کا بیان کرنا، اگرچہ بروایاتِ صحیحہ ہو یا سبیل لگا کر شربت پلانا یا چندہ سبیل شربت میں دینا، یا دودھ پلانا یہ سب صحیح نہیں ہے اور روافض سے تشبہ کی وجہ سے حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ١٣٩)

مسئلہ یہ پابندی بھی غلط اور غیر ثابت ہے کہ اگر سردی کا موسم ہو تب بھی شربت ہی پلایا جائے، ایک غلط عقیدہ کو بھی اس میں دخل ہے، وہ یہ کہ حضرت امام حسینؓ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیاس سے شہید کیے گئے؛ لہٰذا یہ شربت ان کے پاس پہنچ کر ان کی پیاس بجھائے گا، اس عقیدہ کی اصلاح ضروری ہے، یہ شربت وہاں نہیں پہنچتا، اور نہ ان کو اس شربت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، جن کے مقابلہ میں یہاں کا شربت کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۴۲۸)

مسئلہ ایام محرم میں سر الشہادتین کا پڑھنا منع ہے، حسب مشابہت مجلس روافض کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۳۹)

مسئلہ شریعت کی طرف سے دس محرم اور بارہ ربیع الاول دونوں میں کاروبار بند کرنے کا حکم نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۵، ص ۳۹۱)

تعزیہ سازی جائز نہ ہونے کی دلیل

مسئلہ تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا اور اس کا خلاف دین و ایمان ہونا اظہر من الشمس ہے، قرآن مجید میں ہے "اتعبدون ما تنحتون" کیا تم ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جس کو خود ہی تم نے تراشا اور بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے تراش کر بناتا ہے، اور پھر منت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد و صحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارتِ امام حسینؓ سمجھا جاتا ہے، کیا یہ سب باتیں روح ایمان اور تعلیم اسلام کے خلاف نہیں ہیں؟ یہ سب باتیں بدعت اور ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۷۵، فتاویٰ رشیدیہ: ص ۵۷۶)

مسئلہ محرم میں تعزیہ کے سامنے جو کھیلتے ہیں، شرعاً یہ بے اصل اور ناجائز ہے، یہ روافض کا طریقہ ہے حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۶، ص ۱۲۹)

غیر ذی روح کا تعزیہ بنانا

مسئلہ بے جان کی تصاویر و نقشہ جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی عبادت اور

خلاف شریعت تعظیم نہ کی جاتی ہو؛ مگر تعزیہ داری اور تعزیہ سازی اعتقادی اور اصل خرابیوں سے پاک نہیں ہیں، تعزیہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، اس کا طواف کیا جاتا ہے، اس پر نذر و نیاز چڑھائے جاتے ہیں، اور اس کے پاس مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس پر عرضیاں چپکائی جاتی ہیں؛ اس لیے اس کا بنانا اور گھر میں لٹکانا ناجائز ہے، اگر خانۂ کعبہ وغیرہ کی تصاویر اور نقشوں کے ساتھ حرکات مذکورہ کی جائیں گی تو وہ بھی ناجائز ٹھہرے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۲۷۷، بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ج۲، ص۷۶)

مسئلہ تعزیہ داری اور مجالس مرثیہ خوانی وغیرہ ہر جگہ اور ہر وقت حرام اور گناہ کبیرہ ہیں، بالخصوص مساجد میں یہ کام کرنا سخت ظلم اور معصیت ہے، اور موجب عتابِ الٰہی ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکات سے توبہ کرنی چاہئے اور یہ امور حرام اور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں ہیں، ان امور پر اصرار کرنے والا فاسق ہے اور تعزیر کا مستحق ہے (عزیز الفتاویٰ: ج۴، ص۱۵)

مسئلہ یوم عاشورہ کے دن کے متعلق شریعت نے خاص دو چیزیں بتلائی ہیں:

(۱) روزہ رکھنا (۲) اہل و عیال پر کھانے پینے میں وسعت کرنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے یومِ عاشور کے دن اپنے بال بچوں پر کھانے پینے کی وسعت کی تو اللہ تعالیٰ پورے سال روزی میں اضافہ کریں گے، اس کے علاوہ اُس دن کے لیے اور کوئی حکم نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۸۰)

مسئلہ دس محرم کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ رکھنا چاہئے، نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو گیارہویں کا رکھ لے، ورنہ صرف دسویں کا روزہ مکروہ ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۷۹، بحوالہ شامی: ص۱۱۴، و مراقی الفلاح: ص۱۲۴)

مسئلہ دسویں محرم (عاشورہ کے دن) اعلان اور مظاہرہ کے ساتھ مسجد میں نوافل پڑھنے کا اہتمام و التزام کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، لائق ترک ہے، یہ نئی ایجاد اور خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۶، ص۱۹۱، و کفایت المفتی: ج۱، ص۲۲۵)

کیا یومِ عاشورہ کا روزہ شہادت کی وجہ سے ہے؟

مسئلہ دسویں محرم (یومِ عاشورہ) کو اسلام سے پہلے گزشتہ اُمتوں میں بڑی عزت و وقار کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا، اس دن موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی

اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ظالم فرعون سے نجات دی اور وہ ظالم اور اس کے رفقاء بحر قلزم میں غرق کیے گئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکریہ کا روزہ رکھا تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا۔

یومِ عاشورہ قبل از واقعۂ کربلا ہی معظم و مکرم نظروں سے نوازا گیا تھا، یہ بالکل غلط ہے کہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد یوم عاشورہ محترم ہوا، اور واقعۂ شہادت کی وجہ سے روزہ رکھا جاتا ہے؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے لیے ایسا مبارک اور معظم دن پسند فرمایا جس کی وجہ سے آپ کی شہادت کے درجات اور فضائل میں زیادتی فرمائی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۸۱، فتاویٰ محمودیہ: ج۶، ص۱۳۲)

مسئلہ عشرہ محرم (دس محرم) میں حدیث شریف سے صرف دو باتیں ثابت ہیں: دسویں محرم کا روزہ اور دسویں تاریخ کو اپنے گھر والوں کے خرچہ میں کچھ وسعت کرنا، جس کی نسبت آیا ہے کہ اس عمل سے سال بھر تک روزی میں وسعت رہتی ہے، باقی امور حرام ہیں۔ (اصلاح الرسوم: ص۱۳۶)

دس محرم کو مجلس شہادت کرنا

مسئلہ ذکر شہادت کا ایام عشرۂ (دس) محرم میں کرنا روافض کی مشابہت کی وجہ سے منع ہے اور ماتم، نوحہ (رونا پیٹنا) کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں آپؐ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے اور خلاف روایات بیان کرنا سب ابواب میں حرام ہیں، خاص دنوں میں صدقات تقسیم کرنا، اگر یہ جانتا ہے کہ آج ہی زیادہ ثواب ہے تو بدعت ضلالہ ہے، کسی دن کو خاص کر کے کھانا تقسیم کرنا لغو ہے، اور صدقہ کا کھانا مالدار کے لیے مکروہ اور سید کے لیے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۳۹)

مسئلہ حضرت امام حسینؓ کی رسم ماتم سخت مکروہ اور ممنوع ہے، علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ عاشورہ (دس محرم) کے دن روافض کی بدعتوں میں مبتلا نہ ہو جانا، مرثیہ خوانی، آہ و بکا اور رنج و الم کے، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اس کا زیادہ مستحق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات ہو سکتا تھا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۲۷۴، بحوالہ سفر السعادۃ: ص۵۴۳)

مسئلہ محرم کے دس ایام میں شہادت کے بیان کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ سے پوچھا گیا، انہوں نے تشبہ بہ روافض کی بناء پر ناجائز لکھا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''جس نے جس قوم کا تشبہ اختیار کیا وہ اس قوم میں سے ہے'' اس لیے بزرگانِ دین محرم شریف کی شہادت کے بیان وغیرہ کرنے کو منع کرتے آئے ہیں، کیونکہ اس میں بھی تشابہ بہ روافض لازم آتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۹۲)

مسئلہ دس محرم کو مسجد و گھر میں مٹھائی تقسیم کرنا کوئی شرعی چیز اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے؛ البتہ بعض روایات سے دس محرم کو روزہ رکھنا، بہت ثواب آیا ہے، اور اس دن کھانے میں کچھ وسعت کرلینا باعث برکت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۳۱۴)

محرم کی رسومات کا حکم

سوال حضرت حسینؓ کی شہادت پر رسم تعزیہ داری، سیاہ کپڑے پہننا، ننگے سر ہونا، سر میں خاک ڈالنا، سر کو پیٹنا، ماتم کرنا، مرثیے گانا، علم نکالنا، بچوں کو قیدی فقیر بنانا، تعزیہ گاہ میں تلاوت کلام پاک کرنا اور منتیں ماننا وغیرہ وغیرہ، اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی اصل کیا ہے؟

جواب حضرت سیدنا حسینؓ کی شہادت یقیناً ایک دردناک حادثہ ہے اور خاندان نبوت سے عقیدت ومؤدت کا تعلق رکھنے والوں کے لیے رح فرسا واقعہ ہے، سب کو اس سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے، کہ حق پر کس طرح قائم رہنا چاہئے، کسی جابر طاقت کے سامنے جھکنے سے جام شہادت نوش کرنے کا مقام بہت بلند ہے؛ لیکن یہ انتہائی بدقسمتی اور حرماں نصیبی ہے کہ جرأت اور حق گوئی کا سبق حاصل کرنے کی جگہ، ان جاہلانہ اور زنانہ مراسم نے قبضہ کرلیا ہے اور اب اُن ہی کے ذریعہ حق وفاداری ادا کیا جاتا ہے، مذکورہ سوال میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، بعض بدعت سیئہ ہیں، بعض حرام ہیں، اور بعض درجۂ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اہل سنت والجماعت کے مسلک سے اُن کا کوئی ربط نہیں ہے، یہ روافض کا شعار ہے، ان کی صحبت کا اثر بے علم یا بے عمل اہل سنت والجماعت میں بھی پھیل گیا ہے، ان کا بند کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲، ص ۲۰۱)

مسئلہ مشہور ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھے؛ کیونکہ یزید کی والدہ نے

روزہ رکھا تھا، یہ غلط ہے، نیز بعض عوام محرم میں قبروں پر مٹی ڈالنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، غلط ہے۔

مسئلہ بعض عوام اس بچے کو جو محرم میں پیدا ہو، منحوس سمجھتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، نیز بعض اسی ماہ میں نکاح وغیرہ کو بھی ناجائز جانتے ہیں، یہ بھی بالکل غلط ہے۔

(اغلاط العوام: ص۱۸۴)

مسئلہ عشرۂ محرم میں زینت چھوڑنا، گوشت وغیرہ نہ کھانا، سینہ پیٹنا، مرثیہ خوانی، تعزیہ پر ناریل وغیرہ توڑنا، اس کے سامنے کھانا وغیرہ رکھ کر تبرک کے طور پر کھانا، تعزیہ لے کر گشت کرنا باجہ وغیرہ کے ساتھ اور اس کو دفن کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب امور بدعت سیۂ ہیں اور بعض ان میں سے علاوہ بدعت ہونے کے خود بھی حرام ہیں اور بعض میں شرک کا بھی احتمال ہے؛ اس لیے ان تمام امور کا ترک کرنا ضروری ہے، اور تعزیہ کا جلوس نکالنا اور ان کے ساتھ ان تمام ناجائز کاموں کا کرنا، علاوہ بدعت ہونے کے کفار و ہنود کے طرزِ عمل کے مشابہ بھی ہے؛ اس لیے بھی حرام ہے، نیز یہ جلوس شان و شوکت کے ساتھ نکالنا، اور باجہ گاجہ وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے تو علامت اظہار مسرت کی ہے، نوحہ و سینہ کوبی (سینہ پیٹنا) خود شرعاً حرام ہے۔ (امداد المفتیین: ج۱، ص۱۰)

مسئلہ بعض جہلا کا اعتقاد ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ! تعزیہ میں حضرت حسینؓ رونق افروز ہیں اور اسی وجہ سے اس کے آگے نذر و نیاز رکھتے ہیں، جس کا **مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ** میں داخل ہو کر کھانا، حرام ہے۔ (اغلاط العوام: ص۱۸۴)

تعزیہ بنا کر مسجد میں رکھنا

مسئلہ تعزیہ بنانا اور اس کو اپنے مکان میں رکھنا بدعت ضلالہ اور بہت بڑا گناہ ہے، اور اس کی تعظیم و تکریم کرنا شرک ہے، اسی طرح اس پر منت اور چڑھاوا چڑھانا حرام اور شرک ہے، اور مسجد میں تعزیہ رکھنا ہرگز جائز نہیں، اور جس مسجد میں تعزیہ رکھا ہو، اس میں تعزیہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اہل مسجد کے ذمہ تعزیہ کا مسجد سے نکال دینا واجب ہے، اور جو لوگ تعزیہ کو مسجد میں رکھنا چاہتے ہیں اور جو ان کے معاون ہیں وہ عنداللہ سخت گنہ گار ہیں، ان سے ملنا جلنا، سلام و کلام کرنا ترک کر دینا چاہیے، جب تک وہ

اس گناہ سے خالص توبہ نہ کریں۔ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۸۱، ونظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۷۰)

مسئلہ بے جان کی شبیہ (شکل) بنانا اس وقت جائز ہے؛ جبکہ اس پر کوئی خرابی مرتب نہ ہو، ورنہ حرام ہے، اور تعزیہ کے ساتھ جو معاملات کیے جاتے ہیں ان کا معصیت و بدعت؛ بلکہ بعض کا قریب بکفر و شرک ہونا ظاہر ہے؛ اس لیے اس میں چندہ دینا اور اس میں شرکت وغیرہ کرنا سب ناجائز ہوگا، اور بنانے والا اور اعانت کرنے والا دونوں گنہ گار ہوں گے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۸۶)

مسئلہ لوگ تعزیہ کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی طرف پشت بھی نہیں کرتے، اس پر عرضیاں لٹکاتے ہیں، اس کے دیکھنے کو زیارت کہتے ہیں اور اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں جو کھلم کھلا شرک ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۱۸۴، واصلاح الرسوم: ص ۱۳۷، وشرح سفر السعادت: ص ۵۴۳)

گیارہویں منانے کا کیا حکم ہے؟

سوال ہر سال ماہِ ربیع الثانی میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں کے نام سے "یوم وفات" بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب بیشک غوث الاعظم رحمہ اللہ ایک بڑے بزرگ ہیں، جن کی عظمت و محبت ایمان کی علامت ہے اور بے ادبی و گستاخی کرنا گمراہی کی دلیل ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور انبیاء میں سب سے افضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر خلفاء راشدینؓ کا مرتبہ ہے اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ بدرجہ رتبہ ہے، بغور سوچئے! کہ انبیاءؑ اور صحابہؓ جیسی مقدم ہستیوں کا "یوم وفات" منانے کی شریعت نے کوئی تاکید نہیں کی تو غوث اعظم کا یوم وفات منانے کا کیا مطلب؟

خلاصہ یہ کہ یہ رواج جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے اور اس کے بدعت ہونے میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۸۶، بحوالہ فتاویٰ حدیثیہ: ص ۲۶۱، فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۳۹)

گیارہویں کے کھانے کا حکم

سوال اگر رشتہ دار واحباب گیارہویں کا کھانا یا محرم کا کھچڑا یا شب برأت کا حلوہ وغیرہ گھر بھیج دیں تو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب اگر اس قسم کا کھانا پکانے والا غیر اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک ہے اور یہ کھانا حرام ہے اور اس کا قبول کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، اور اگر نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھتا تو کھانا حرام نہیں؛ مگر یہ فعل بدعت ہے ایسا کھانا لینے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے، تاکہ بدعت کی اشاعت اور تائید کا گناہ نہ ہو۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۸۲)

شش عید کے روزوں کا صحیح طریقہ

مسئلہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر شش عید کے روزوں کو عید کے اگلے ہی دن سے شروع کردے تب تو ثواب وہ ملتا ہے ورنہ نہیں ملتا، یہ خیال غلط ہے؛ بلکہ مہینہ بھر میں کبھی بھی ان کو پورا کرلیا تو ثواب مل گیا، خواہ عید کے اگلے ہی دن سے شروع کرے یا بعد میں (شوال ہی میں) شروع کرے، خواہ لگاتار رکھے یا متفرق طور پر رکھے، ہر طرح ثواب ملے گا۔ (زوال السنۃ: ص۲۰)

مسئلہ بعض حضرات ان چھ روزوں میں اپنے پچھلے قضاء کے روزوں کو محسوب (شمار) کرلیتے ہیں کہ شش عید کے روزے بھی ہوں گے اور قضاء بھی ادا ہوگئی، تو خوب یاد رکھو! ان میں قضاء کی نیت کرنے سے وہ فضیلت شش عید کی حاصل نہیں ہوگی۔

(اغلاط العوام: ص۱۲۶)

شب برأت میں حلوہ بنانا

مسئلہ شریعت میں شب برأت کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرہواں دن، اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت والا ہے، ہمارے پیغمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاکر مُردوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی ہے، تو اگر

اس تاریخ میں مردوں کو کچھ بخش دیا کریں، چاہے قرآن شریف پڑھ کر، چاہے کھانا کھلا کر، چاہے نقد (صدقہ وخیرات) دیکر، چاہے ویسے ہی دعاء بخشش کر دیں تو یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے، اس سے زیادہ جتنے بکھیڑے لوگ کر رہے ہیں، اس میں حلوے کی قید لگا رکھی ہے، اور اسی طریقے سے فاتحہ دلاتے ہیں اور خوب پابندی سے یہ کام کرتے ہیں، یہ سب واہیات ہیں، جو چیز شرع میں ضروری نہ ہو اس کو ضروری سمجھنا یا اس کا حد سے زیادہ پابند ہو جانا بری بات ہے، شرعی چیز نہیں ہے (بہشتی زیور: ج۶، ص۶۱، ونظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۷۴)

مسئلہ حدیث شریف سے اس زمانہ (شب برأت) میں تین باتیں ثابت ہیں، ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے:

اول: پندرہویں شب کو قبرستان میں جا کر اموات کے لیے دعاء و استغفار کرنا اور کچھ صدقہ وخیرات دے کر بھی مردوں کو اس کا ثواب پہنچا دیا جائے تو وہ ہی دعاء و استغفار اس کے لیے اصل نکل سکتی ہے کہ مقصد دونوں سے مردوں کو نفع پہنچانا ہے؛ مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر میسر ہو خفیہ طور سے کچھ دے دلا دے، باقی حدود شرعی سے تجاوز نہ کرے۔

دوم: اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت (تنہائی) میں ہو یا دو چار آدمیوں کے ساتھ جن کے جمع کرنے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

سوم: پندرہویں تاریخ کو روزۂ نفل رکھنا، ان عبادتوں کو مسنون طریقہ پر ادا کرنا نہایت احسن ہے۔ (اصلاح الرسوم: ص۱۳۴)

مسئلہ شب برأت میں حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں؛ لہٰذا یہ امور ناجائز اور بدعت ہیں، اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے ثواب کا عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں بدعت کی تائید و ترویج ہوتی ہے، معہٰذا یہ حرام نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۸۵)

مسئلہ اسی طرح یہ مشہور ہے کہ شب برأت کے حلوہ سے اگر رمضان کا پہلا روزہ افطار کر لیا جائے تو بہت ثواب ہے، یہ بالکل غلط بات مشہور ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص۱۲۴، اور تفصیل کے لیے دیکھیے احقر کی مرتب کردہ: ''مسائل شب برأت و شب قدر'')

مخصوص راتوں میں چراغاں کرنا

سوال کیا ستائیس رمضان کی شب اور بارہ ربیع الاول کی شب کو روشنیوں اور جھنڈیوں کا انتظام کرنا باعث ثواب ہے؟

جواب خاص راتوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کے انتظام کو فقہاء نے بدعت اور اسراف (فضول خرچی) کہا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۱۲۹)

مسئلہ شب معراج یا کسی خاص رات میں قبرستان میں چراغاں کرنا یا قبروں کو سجانا، صاف کرنا یا پانی چھڑکنا، یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۷۲)

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا

سوال ہمارے یہاں یہ روایت مشہور کر رکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت کیا تھا، کارخانہ کے ملازموں کو مٹھائی تقسیم کرنی پڑتی ہے، ورنہ ملازم نقصان پہنچاتے ہیں، کام چھوڑ دیتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسل صحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ شدتِ مرض کی روایت مدارج نبوت میں ہے۔

یہود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدتِ مرض سے خوش ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت اور شقاوت کا تقاضہ ہے (آپؐ کے شدتِ مرض کی خوشی میں دشمنان اسلام یہودیوں نے خوشی منائی تھی) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدتِ مرض کی خوشی میں ہے اور نہ یہود کی موافقت کی خاطر ہے، اور نہ ان کو اس روایت کی خبر ہے، نہ یہ فی نفسہٖ کفر وشرک ہے؛ اس لیے ان حالات میں کفر وشرک کا حکم نہ ہوگا، ہاں! یہ کہا جائے گا کہ یہ غلط طریقہ ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز غسل صحت ثابت نہیں ہے، کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے، بغیر نیتِ موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، نہایت نرمی و شفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ و فہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت مسئلہ کی ان کے ذہن میں اتار دے،

اور ان کی مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حسنِ اسلوب سے پورا کر دے، مثلاً عید وغیرہ پر، جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵، ص۴۱۲)

مسئلہ ماہِ صفر کے آخری چہارشنبہ کو خوشی کے دن کے طور پر منانا بالکل بے اصل اور بلا دلیل ہے، مسلمانوں کو خوشی کے طور پر منانا جائز نہیں ہے، خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱، ص۱۲۰، فتاویٰ رشیدیہ: ج۱، ص۱۶۳، اغلاط العوام: ص۳۷، وآپ کے مسائل: ج۸، ص۱۴۷، واحسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۶۰)

ماہِ ذیقعدہ کو منحوس سمجھنا کیسا ہے؟

سوال ذیقعدہ کے مہینہ کو "خالی کا ماہ" کہا جاتا ہے، اور اس کو منحوس سمجھ کر لوگ (اس میں) رشتہ و نکاح نہیں کرتے تو اس طرح سے اس کو منحوس سمجھنا کیسا ہے؟

جواب ماہِ ذیقعدہ بڑا ہی مبارک مہینہ ہے، یہ مہینہ "اشہرحرم" یعنی حرمت والا اور عدل کا ایک مشہور مہینہ ہے، قرآن شریف میں اس کا بیان ہے "مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ" یعنی (بارہ ماہ میں) چار ماہ عدل وعزت کے ہیں (سورۃ التوبہ) نیز یہ مہینہ "اشہرحج" میں شامل ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے اور وہ سب ذیقعدہ میں کیے بجز اُس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا تھا۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۲۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس میں عین عمرے فرمائے ہوں ایسا مہینہ منحوس کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کو منحوس سمجھنا اور اس میں رشتہ اور نکاح وغیرہ اور خوشی کے کاموں کو نامبارک ماننا جہالت اور مشرکانہ ذہنیت ہے اور اپنی طرف سے ایک جدید شریعت کی ایجاد ہے، ایسے ناپاک خیالات اور غیر اسلامی عقائد سے توبہ کرنا ضروری ہے اور اس ماہ کو ذیقعدہ کہنا چاہئے، خالی کا مہینہ نہیں کہنا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۸۳، بحوالہ مرقات: ج۱، ص۳۹۹، واحسن الفتاویٰ: ج۱، ص۴۸، وبہشتی زیور: ج۶، ص۵۹)

شدید بارش یا وباء کے وقت اذان دینا

مسئلہ علیٰ سبیل التداعی نہ ہو تو اپنے طور پر (ایسے موقعوں پر) تلاوت کرتے

رہیں، تو جائز ہے، تداعی کی صورت جائز نہیں، فقہاء کرامؒ نے نماز کے علاوہ جتنے مواقع اذان کے بیان فرمائے ہیں ان میں یہ نہیں ہے۔

مسئلہ ان مواقع پر اذانیں دینا شرعاً ثابت نہیں؛ لہٰذا یہ بدعت ہے، اس کے علاوہ دو گناہ مزید ہیں، ایک یہ کہ لوگوں کو نماز کے اوقات میں اشتباہ ہوگا کہ فجر کی سنتیں رات ہی میں پڑھ لیں گے، یا صبح ہونے کے گمان میں فجر کی نماز ادا کرلیں گے، دوسرا گناہ یہ کہ رات میں لوگوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے اور رات میں سونے نہ دینا گناہ ہے۔

ارتکاب بدعت، لوگوں کی نمازیں برباد کرنے اور مریض وضعیفوں کو پریشان کرنے اور عام مسلمانوں کو ایذا پہنچانے جیسے موجب عذاب عمل سے نزول رحمت کی امید رکھنا انتہائی حماقت ہے، اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ معاصی (گناہ) چھوڑی جائیں، مالک کی نافرمانی سے توبہ واستغفار کرکے اس کو راضی کیا جائے۔

آج کل جتنے شدید اور کثیر گناہوں اور موجب عذاب ووبال بداعمالیوں کا کھلی مجلس میں رات دن مشغلہ جاری ہے، اس کا اندازہ کیا جائے، تو آج کل کے ایک دن کی سیاہ کاریاں عام زمانہ میں کئی سالوں کی بداعمالیوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں، پھر اس کے ساتھ اذانوں کا سلسلہ شروع کرکے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے، اللہ ترکِ سیئات اور نافرمانی سے توبہ واستغفار کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

مسئلہ اذان کے کلمات ''لا الٰہ الا اللہ'' کا جواب بعینہ وہی ہونا چاہیے، ''محمد رسول اللہ'' کا اضافہ کرنا زیادتی فی الدین اور بدعت ہے۔

اگر مؤذن ''لا الٰہ الا اللہ'' کے بعد اسی طرح بلند آواز سے ''محمد رسول اللہ'' کہے تو اس کو ہر شخص اذان پر زیادتی سمجھ کر ناجائز کہے گا، اسی طرح اذان سننے والے کا ''محمد رسول اللہ'' کہنا اذان کے جواب پر اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۳۷۸، ونظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۹۲، واغلاط العوام: ص۵۲)

مسئلہ مشہور ہے کہ اذان نماز کے لیے مسجد میں بائیں طرف ہو اور اقامت یعنی تکبیر داہنی طرف ہو، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے (یعنی یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ جس جگہ بھی اور جہاں بھی مناسب خیال کریں کہ یہاں سے آواز دور تک پہنچے گی وہیں اذان واقامت کہہ دیں) (رفعت قاسمی)

مسئلہ بعض لوگ اذان کے سامنے سے یعنی اذان دینے والے یا دعاء کرنے والے کے سامنے سے جانا، گزرنا ناجائز سمجھتے ہیں، اس کی بھی کچھ اصل نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۵۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے وقت انگوٹھے چومنا

مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر یا لے کر انگوٹھے چومنا بالکل ناجائز ہے، درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور تاکید احادیث صحیحہ میں آئی ہے؛ مگر صحیح حدیث شریف میں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۰۴، تفصیل دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱، ص ۵۸، بخاری شریف: ج ۱، ص ۳۷۱، درمختار: ص ۴۸۱، محمودیہ: ج ۱، ص ۱۸۶، واحسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۷۸، وامداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۸۸، و کفایت المفتی: ج ۱، ص ۱۰۴)

مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر ہاتھ چومنا اور آنکھوں پر لگانا بدعت ہے، اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں، بجز اس کے کہ بعض مشائخ نے آشوبِ چشم (آنکھ دکھنے) کا علاج بتایا ہے کہ اذان میں اس کلمہ کو سن کر آنکھوں کو لگا لے تو آنکھ کا آشوب ٹھیک ہو جاتا ہے، اس کو ہر وقت کرنا انہوں نے بھی نہیں فرمایا، اس کو حدیث کہنا یا حدیث سے ثابت سمجھنا یا ضروری قرار دینا، سب ناجائز اور بدعت ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۹۲، وعین الہدایہ: ج ۱، ص ۳۹۹، وعالمگیری: ج ۴، ص ۲۶۲: کراہت کا بیان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کی زیارت کرنا

مسئلہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک صحابہ کرامؓ کو تقسیم فرمائے تھے، اگر کسی کے پاس بال مبارک ہو تو تعجب کی بات نہیں، اگر صحیح اور قابل اعتماد سند ہو تو اس کی تعظیم کی جائے، اور اگر سند نہ ہو اور مصنوعی ہونے کا یقین نہیں تو خاموشی اختیار کی جائے، نہ اس کی تصدیق کرے اور نہ جھٹلائے، نہ تعظیم کرے اور نہ اہانت کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۷۷، بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۱، ص ۴۳، بخاری شریف: ج ۱، ص ۸۷۵، وج ۱، ص ۱۶۸)

مسئلہ بال مبارک کی زیارت آنکھوں سے دیکھ کر کر لی جائے درود شریف پڑھتے ہوئے، زیارت کے وقت جو نذرانہ دیکھنے والوں سے لیا جاتا ہے، وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دینے والے بطورِ منت ونذر کے نہ دیتے ہوں؛ بلکہ خدامِ موئے مبارک کا دل خوش کرنے کے لیے ہدیہ دیتے ہوں۔ (امداد الاحکام: ج۱،ص۱۹۹)

اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا

سوال بعد نمازِ جمعہ اجتماعی طور پر کچھ لوگ بیٹھ کر آہستہ آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب کبھی کبھی بلا اہتمام ایسا کرنا اگر چہ جائز ہے؛ مگر آئندہ چل کر ایسی چیزیں بدعت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، ان کا اہتمام والتزام ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کی قیود کا اضافہ ہونے لگتا ہے، جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شریعت پر زیادتی ہے جس کا کسی کو حق نہیں؛ اس لیے ایسے امور سے اجتناب ضروری ہے، اپنے اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے باعثِ برکت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۳۸۰)

مسئلہ جب خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے یا خطیب یہ آیت پڑھے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" تو سننے والوں کے لیے درود شریف زبان سے پڑھنا جائز نہیں، چونکہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے؛ اس لیے اس حالت میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں، دل میں پڑھ سکتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،۳۸۰)

نماز جمعہ کے بعد اجتماعی صلوٰۃ وسلام

سوال بعض جگہ مسجد میں نماز کے بعد خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد قیام کر کے لوگ اجتماعی طور پر ایک خاص طرز سے جھوم جھوم کر، زور زور سے التزاماً درود وسلام پڑھتے ہیں اور اس طریقہ کو 'اہل سنت' (سنی) ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے، جو لوگ ان کے ساتھ اس فعل میں شرکت نہیں کرتے ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج کہتے ہیں، بدعقیدہ سمجھتے ہیں، درود اور معاذ اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور گستاخ کہتے ہیں اور بعض متشدد تمام حدود سے تجاوز کرتے ہوئے کفر کا فتویٰ بھی لگا دیتے ہیں، ان للّٰہ، معاذ اللّٰہ!

جواب یقیناً درود و سلام بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور بہت عظیم عمل ہے، قرآن مجید میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے، احادیث میں اس کے بے شمار فضائل اور فوائد بیان کیے گئے ہیں، اس عظیم عبادت کے لیے بھی دیگر عبادات کے مانند کچھ اصول اور آداب ہیں ان کی رعایت کرنا اور ان کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے اور ان کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے من گھڑت اور خود ساختہ طریقے کے مطابق عمل کرنا بجائے ثواب کے گناہ اور بجائے قرب کے بعد کا سبب بن سکتا ہے۔

غور کیجیے! اگر کوئی شخص نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ کے بجائے درود شریف سے کرے، سورۂ فاتحہ کی جگہ درود پاک پڑھے، سورت ملانے کے بجائے درود شریف پڑھتا رہے، تکبیرات انتقالات کے موقع پر درود پاک کا وِرد کرتا رہے، رکوع اور سجدہ میں بھی درود پڑھتا رہے، تشہد چھوڑ کر درود پاک کا شغل رکھے تو آپ خود بتلائیے کہ ان مقامات پر درود پاک پڑھنے کی اجازت ہے؟ اور کیا اسے صحیح طریقہ کہا جا سکتا ہے؟ نماز صحیح ہو جائے گی؟ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لے تو سجدۂ سہو لازم آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بے موقع اور بے محل درود شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

صلوٰۃ وسلام انفرادی طور پر (تنہا تنہا) پڑھا جاتا ہے، صلوٰۃ وسلام کے لیے اجتماع، اہتمام اور التزام ثابت نہیں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین، اولیاء عظام، مشائخ کرام، حضرت غوث الاعظم، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ سے نماز کے بعد مسجد میں اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر، زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ایک نمونہ اور ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے؛ لہٰذا یہ طریقہ یقیناً بدعت ہے، اسے ایجاد کرنے والے اور اس پر عمل کرنے اور اس پر اصرار کرنے والے اور اسے دین سمجھنے والے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور لعنت کے مستحق ہیں، اور بدعت کے سلسلے میں جو وعیدیں ہیں آپ اسے تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۳۰)

جس عبادت میں اجتماع ثابت نہ ہو اس میں اجتماع سے روکا جائے گا

جس عبادت کے لیے اجتماع ثابت نہ ہو، اگر اہتمام و التزام کے ساتھ اجتماعی طریقہ سے اس کو ادا کیا جائے گا تو وہ مناسب طریقہ نہ ہوگا اور اس سے روکا جائے گا اسلاف عظام سے اس کا ثبوت بھی ہے، اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

ا۔ چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے؛ مگر اس کے لیے مساجد میں اجتماع اور اہتمام ثابت نہیں، حضرت ابن عمرؓ نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر پڑھتے ہیں تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے بدعت قرار دیا" **عن مجاهد قال: دخلت انا و عروة بن الزبير المسجد، فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة و اذا اناس يصلون في المسجد صلوٰة الضحى، قال: فسألناه عن صلوٰتهم، فقال: بدعة،** (بخاری شریف: ج ۱، ص ۲۳۸)

عیدگاہ جاتے آتے راستہ میں تکبیر "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ" پڑھنا مستحب ہے؛ لیکن سب مجتمع ہو کر آواز سے راگ کی رعایت کرتے ہوئے نہ پڑھیں کہ یہ حرام ہے؛ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے طور پر تکبیر پڑھے۔ (مجالس الابرار: ص ۲۱۳ م ۳۲)

۲۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی راتوں میں، شب برأت میں، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں، ذی الحجہ کے دس دن اور ان کی دس راتوں میں عبادت کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ لیکن فقہائے کرام رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان راتوں میں عبادت کرنے، نوافل وغیرہ پڑھنے کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔

۳۔ علامہ ابن الحاج "کتاب المدخل" میں فرماتے ہیں **وانما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم** یعنی جمعہ کے دن سورۂ کہف مسجد میں اجتماعی طور پر پڑھنا بدعت ہے (انفرادی طور پر پڑھنا بہت عظیم ثواب کا کام ہے) (کتاب المدخل: ج ۲، ص ۸۱)

۴۔ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے

ایک شخص کو چھینک آئی، اس نے ”الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ“ کہا، حضرت ابن عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: میں بھی یہ کلمات پڑھ سکتا ہوں؛ مگر اس موقع پر یہ کلمات پڑھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم نہیں دی، اس موقع پر ہمیں یہ تعلیم فرمائی کہ یہ کلمات کہیں ”الحمد للّٰہ علی کل حال“

عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمرؓ فقال الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ ولیس ھٰکذا علّمنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علّمنا ان نقول الحمد للّٰہ علی کل حال (ترمذی شریف: ج۲، ص۹۸۔ مشکوٰۃ شریف: ص۴۰۶)

ان کلمات میں یہ زائد کلمہ ”والسلام علی رسول اللّٰہ“ اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے؛ لیکن اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی، حضرت ابن عمرؓ کو یہی چیز نئی معلوم ہوئی اس لیے فوراً آپ نے اس پر نکیر فرمائی۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبادت میں مخصوص کیفیات اور مخصوص طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شریعت میں وارد نہیں ہیں، بدعت اور ناجائز ہیں۔

(الاعتصام: ج۱، ص۲۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ کام جس کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب نہ ہو اس کی ترغیب دینا اور جس کا وقت مقرر نہ ہو اس کا وقت مقرر کر لینا سنت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے اور سنت کی مخالفت حرام ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی: ج۱، ص۹۹)

بحر الرائق میں ہے: ولان ذکر اللّٰہ تعالیٰ اذا قصد بہ التخصیص بوقتٍ دون وقتٍ او بشیٍٔ دون شیٍٔ لم یکن مشروعًا حیث لم یرو بہ الشرع لانہ خلاف المشروع. (البحر الرائق: ج۲، ص۱۵۹)

ایک اشکال کا جواب

کچھ لوگ بڑی سادگی سے کہتے ہیں کہ اس میں گناہ کی کون سی بات ہے؟ درود ہی تو پڑھا جا رہا ہے؛ لیکن اگر مذکورہ بالا گذارشات پر غور کریں گے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی کہ جو عمل بے موقع اور بے محل کیا جاتا ہے وہ قابل ملامت اور قابل مواخذہ ہو

سکتا ہے۔

دیکھیے! روایت میں ہے: امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو عیدگاہ میں عید کے دن دیکھا کہ وہ عید کی نماز سے پہلے نماز پڑھ رہا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا، اس نے عرض کیا: امیر المومنین! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا، حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے بھی یقین ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام نہیں کیا یا جس کام کے کرنے کی ترغیب نہیں دی اس پر اللہ تعالیٰ ثواب نہیں دے گا؛ اس لیے وہ کام عبث ہوگا اور عبث کام بے کار و بے فائدہ ہے، پس ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے مخالف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ (مجالس الابرار: ص۱۲۹، م۱۸)

ایک شخص عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھتا تھا، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے اسے روکا تو اس نے سعید بن مسیب سے دریافت کیا: "یا ابا محمد! ایعذبنی اللّٰہ علی الصلوٰۃ" اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا دیں گے؟ آپ نے فرمایا: "لکن یعذبک اللہ بخلاف السنۃ" (عبادت موجب سزا و عتاب نہیں) لیکن خدا تعالیٰ سنت کی مخالفت پر تجھے سزا دیں گے۔ (مسند دارمی)

غور کیجیے! نماز عبادت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے؛ مگر عید کی نماز سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا، چونکہ خلاف سنت ہے؛ اس لیے موجب عتاب قرار پایا اور شدت سے منع کیا گیا۔

لہٰذا صلوٰۃ و سلام کا جو طریقہ ایجاد کیا گیا ہے، اسے بدعت ہی کہا جائے گا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کو بدعتی قرار دیا اور مسجد سے نکال دیا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۲۹ تا ۴۳۳)

دعاء ثانی

بعض مسجدوں میں یہ طریقہ ہے کہ فرض نماز کے بعد فقط "اللّٰھم انت السلام" والی دعاء مانگی جاتی ہے، پھر سنن وغیرہ مسجد میں پڑھ کر امام اور مقتدی اکٹھے ہو کر "الفاتحہ"

کہہ کر اجتماعی دعاء کرتے ہیں، اور اس کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے، امام کے ساتھ شرط کی جاتی ہے کہ اس طرح فاتحہ پڑھنا ہوگا، جو لوگ اس طرح دعاء ثانی نہیں کرتے، ان کو تارک فاتحہ، منکر دعاء، وہابی، بدعقیدہ کہتے ہیں، حتیٰ کہ اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں۔

مسنون یہ ہے کہ فرض نماز جماعت سے پڑھی ہے تو نماز کے بعد دعاء بھی جماعت کے ساتھ کی جائے، یعنی امام اور مقتدی سب مل کر دعاء مانگیں اور سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھی ہیں تو دعاء بھی الگ الگ مانگیں، سنن اور نوافل کے بعد فاتحہ اور دعاء ثانی کا طریقہ خلافِ سنت، بے اصل، من گھڑت اور بلا دلیل ہے، الگ الگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہو کر دعاء مانگنا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل اور فرمان سے، نہ صحابہ وتابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول وعمل سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز جماعت سے ادا فرما کر دعاء بھی جماعت کے ساتھ (امام اور مقتدی سب مل کر) مانگا کرتے تھے، اور پھر سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھا کرتے تو دعاء بھی الگ الگ مانگا کرتے تھے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سنن گھر جا کر پڑھتے تھے اور صحابہؓ کو بھی یہی ہدایت فرماتے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنی اشہل میں نمازِ مغرب ادا فرمائی، نماز کے بعد دیکھا کہ جماعت میں شریک ہونے والے مسجد میں سنتیں اور نفلیں پڑھ رہے ہیں، فرمایا: ”یہ نمازیں تو گھر میں پڑھنے کی ہیں۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ شریف: ص ۱۰۵)

بہر حال جب یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اکثر و بیشتر سنتیں گھر جا کر ادا فرماتے تھے تو امام ومقتدی کا مل کر باجماعت دعاء مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیا سنتیں گھر میں پڑھ کر دوبارہ مسجد میں جمع ہوتے تھے؟ اور جماعت کے ساتھ دعاء مانگا کرتے تھے؟ دعاء مانگنے کے لیے دولت خانہ سے مسجد میں آنا تو درکنار، واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں سنتیں پڑھنے کا اتفاق ہوا، تب بھی آپؐ نے مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعاء نہیں فرمائی؛ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتوں میں مشغول رہتے اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی فراغت کا انتظار کیے بغیر ایک ایک کر کے چلے جاتے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ مصلی مسجد سے چلے جاتے تھے۔" (ابوداؤد شریف: ج۱، ص۱۹۱) "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءۃ فی الرکعتین بعد المغرب حتی یتفرق اھل المسجد."

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر نماز میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ مسجد میں سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی باقی نہ رہا۔

(شرح معانی الآثار: ج۱، ص۲۰۱)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سنن کے بعد امام و مقتدی کے مل کر دعاء مانگنے کا دستور تھا ہی نہیں؛ لہٰذا یہ دستور اور طریقہ خلافِ سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۴۳، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول: ص۲۱۵ تا ۲۱۷)

مسئلہ حسب تصریح فقہاء حنفیہ یہی ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں فرض کا سلام پھیرتے ہی مختصر دعاء کر کے سنن رواتب میں مشغول ہو جائیں اور سنتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگے، اور جن فرضوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، ان میں سلام پھیر کر امام دائیں یا بائیں جانب منحرف ہو کر (پھر) اذکارِ ماثورہ پڑھے، پھر سب نمازی دعاء کریں اور دعاء میں "الفاتحہ" کہہ کر (فاتحہ وغیرہ) پڑھنا یہ بدعت ہے، اس کی کچھ اصل نہیں، بالخصوص التزام و اصرار کی وجہ سے یہ بدعت سیئہ میں داخل ہے۔

متولیانِ مسجد کو اس طریقۂ بدعت پر ہرگز امام کو مجبور کرنا جائز نہیں، اور یہ جبر بالکل خلافِ شریعت و اشاعت بدعت ہے، جس کا کرنے والا شرعاً بوجہ ابتداع کے مستحق گناہِ عظیم ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱، ص۱۷۸)

مسئلہ احادیث شریفہ میں سونے و جاگنے کے وقت کی دعاء منقول ہے، مسجد میں داخل ہونے و نکلنے کے وقت کی دعاء مذکور ہے، ہمبستری سے پہلے اور بعد کی دعاء بھی موجود ہے، بیت الخلاء میں جانے و نکلنے کی دعاء بھی ثابت اور منقول ہے تو سنن و نوافل کے بعد کی دعاء کیوں منقول نہیں؟ اگر ثابت ہوتی تو منقول ہوتی، اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ سنتوں کے بعد امام و مقتدی کے مل کر دعاء کرنے کا دستور تھا ہی نہیں؛ لہٰذا اس طریقہ کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، عمل وہی مقبول ہے جو خالص ہونے کے ساتھ ساتھ سنت کے مطابق بھی ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۶،ص۱۸۸، ج۱۰،ص۴۴۴، اغلاط العوام: ص۹۷)

ہمیشہ نماز کے بعد زور سے کلمہ پڑھنا

سوال ہر نماز فرض کے بعد زور سے کلمہ پڑھنا؛ جبکہ مسبوق کی نماز میں خطرہ واقع ہوتا ہے، کیسا ہے؟

جواب ہر فرض نماز کے بعد التزام اس کا بدعت و مکروہ ہے، درمختار میں مسجد کے مکروہات میں بلند آواز سے ذکر کو بھی مکروہات میں شمار کیا ہے اور ہر چند کہ ذکر جہر یعنی بلند آواز سے ذکر جائز اور مستحب ہے؛ لیکن اس ہیئت خاص اور التزام خاص کے ساتھ خصوصاً جبکہ نمازیوں کے تشویش کا بھی اندیشہ ہے تو مکروہ و بدعت ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم قدیم: ج۴،ص۱۴)

مسئلہ اکثر عوام کی عادت ہے کہ دعاء کے ختم کرنے کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ بہر حال کلمہ طیبہ فی نفسہٖ بہت اونچا درجہ رکھتا ہے؛ مگر چونکہ اس موقع پر اس کا پڑھنا احادیث سے ثابت نہیں؛ اس لیے اس کو ترک کرنا چاہیے، دعاء کے ختم پر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ (اغلاط العوام: ص۹۷، یعنی اس کو دعاء کا جزء نہ بنایا جائے، تاکہ عوام یہ نہ جانیں کہ یہ ضروری ہے)

نماز کے بعد مصافحہ کرنا

مسئلہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا طریقہ بدعت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ سے اور ان کے بعد ائمہ دین اور اسلاف امت سے کہیں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ (امداد المفتیین: ج۱،ص۲۲)

مسئلہ عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا رواج بدعت ہے، دوسرے اوقات کی طرح کسی شخص سے اس وقت نئی ملاقات ہو تو مصافحہ کر لے ورنہ نہیں۔

(امداد الاحکام: ج۱،ص۱۸۸، و نظام الفتاویٰ: ج۱،۱۲۸)

مسئلہ لوگ پنجگانہ نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں، وہ بدعت مکروہہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

امام کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں نے نماز فجر اور جمعہ اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کا جو نیا طریقہ ایجاد کیا ہے؛ بلکہ بعض نے پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا طریقہ ایجاد کیا ہے، اس سے ان کو منع کرے کہ یہ بدعت ہے، شریعت میں مصافحہ کسی مسلم سے ملاقات کرتے وقت ہے نہ کہ نمازوں کے بعد؛ لہٰذا شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے، اسی جگہ اس کو بجالائے اور سنت کے خلاف کرنے والے کو رد کرے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۷۲، تفصیل کے لیے دیکھئے: "مسائل آداب و ملاقات")

مسئلہ بعض جگہ عید کا مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ بدعت اور مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۱۶، و عین الھدایہ: ج ۴، ص ۲۹۴، و مظاہر حق: ج ۴، ص ۵۹، و درمختار: ج ۱، ص ۳۸۵ باب العید)

مصافحہ حدیث سے ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا**" جب دو مسلمان مل کر باہم مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ترمذی شریف: ج ۲، ص ۹۷)

اس سے ثابت ہوا کہ مصافحہ مسلمانوں کی باہم ملاقات کے وقت بعد سلام کے مسنون اور مشروع ہے اور چونکہ مصافحہ تکملۂ سلام ہے تو بعد سلام کے ہونا چاہئے۔

مجالس الابرار میں ہے "**و اما المصافحة فسنة عند التلاقی**" اور مصافحہ ملاقات کے وقت مسنون ہے؛ کیونکہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو مسلمان جب ملیں اور مصافحہ کریں تو دونوں کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ص ۴۹۲، مجلس ۸۴)

ملاقات کے شروع میں یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام و جواب ہو، اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت جو مصافحے کیے جاتے ہیں مثلاً نماز فجر، نماز عصر، نماز جمعہ یا نماز عیدین وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے ثابت نہیں

ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۴۵)

میت کے گھر قرآن کے لیے اجتماع

مسئلہ خیر القرون میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ خاص خاص دنوں اور متعینہ تاریخوں میں میت کے گھر قرآن پڑھتے ہوں اور ختم قرآن کے لیے حفاظ وغیرہ دعوت دے کر جمع کیے جاتے ہیں اور رقم یا مٹھائی تقسیم کی جاتی ہو، قرآن پاک پڑھنے پر نقد لینے دینے اور شیرینی وغیرہ وغیرہ کھلانے کا التزام اور عادت بھی منع اور مکروہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۱۹۵، شامی، ج ۱، ص ۸۴۲)

مسئلہ جو بدعات ہیں مثلاً تیجہ وغیرہ اُن کا کرنا کسی وجہ سے بھی درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۵۷)

مسئلہ تیجہ، دسواں، چالیسواں، وغیرہ سب بدعت ضلالہ ہیں، کہیں اس کی اصل نہیں ہے، ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، بغیر قید کے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۵۴، فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۲۸)

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

مسئلہ جنازہ کے ساتھ ذکر خفی کی (ہلکی آواز سے) اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں مکروہ ہے؛ لہٰذا جنازہ کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے کلمہ پڑھنے کا طریقہ خلافِ سنت اور مکروہ تحریمی ہے، جنازہ کے ساتھ دل دل میں اللہ کا ذکر کیا جائے، جہراً (بلند آواز سے) مکروہِ تحریمی ہے۔

مسئلہ جنازہ کی نماز خود اعلیٰ درجہ کی دعاء ہے، اس کے بعد دوسری دعاء اجتماعی ثابت نہیں ہے، چلتے چلتے تنہا تنہا دل دل میں دعاء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جنازہ روک کر اجتماعی دعاء کا رواج خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔

مسئلہ تدفین کے بعد چند قدم چل کر دعاء کرنے کا رواج اور میت کے گھر دعاء کرنے کے لیے جمع ہونے کا دستور خلافِ سنت ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶، ص ۱۹۴، بحوالہ شامی: ج ۱، ص ۸۳۸، بحر: ج ۵، ص ۷۶)

بدعتیوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا

مسئلہ تعزیہ داروں اور مرثیہ خوانوں اور بے نمازیوں کی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ لوگ فاسق ہیں اور فاسق کے جنازہ کی نماز واجب ہے، پس ضروری پڑھنی چاہئے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۷۰)

مسئلہ بدعتی کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جس سے بدعتی ہونے کی حیثیت سے اس کی عزت افزائی ہو اور جس سے بدعت کو تقویت اور فروغ ہو، جائز نہیں ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۲۳)

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ خَالِصًا لِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَ تَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ.

ایک التجاء

حسبِ سابق خوشی کے ساتھ کتاب کا آغاز کیا گیا؛ لیکن کتاب کے اختتام پر حزن و ملال اور رنج والم کی ایک عجیب سی کرب انگیز کیفیت طاری ہے، ذہن میں زندگی کی بے ثباتی سے متعلق مختلف طرح طرح کے خیالات آنے لگے اور بڑے بھائی محمد اسعد صدیقی مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی کہ کچھ عرصہ قبل (جون ۲۰۰۰ء میں) ہی تو اپنے اس قریب ترین خون کو کھویا، گویا اس سانحہ کو ابھی صرف دو سال ہی گزرے تھے کہ ایک اور چھوٹے بھائی محمد ثروت صدیقی (۱۵/ جولائی ۲۰۰۲ء مطابق ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ میں) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، جدائی بھی اچانک طریقہ پر ہوئی، جس نے سب پر سکتہ سا طاری کر دیا؛ لیکن ہمارا ایمان و یقین ہے کہ جب وقت موعود آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اس لیے ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لیے کم سے کم تین مرتبہ سورۂ "اخلاص" پڑھ کر ایصالِ ثواب فرما دیں، نہ معلوم کس کی دعاء مغفرت اور درجات کی بلندی کا سبب ہو جائے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

محمد رفعت قاسمی

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند

۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ، یوم جمعہ مطابق: ۱۶/ مارچ ۲۰۰۳ء

مآخذ و مراجع کتاب

معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	ربانی بک ڈپو، دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سابق مفتی اعظم ہند	مکتبہ دار العلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سید عبد الرحیم صاحبؒ	مکتبہ نشی اسٹیٹ راندیر
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	مکتبہ محمودیہ شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماء وقت عہد اورنگ زیب	شمس پبلشرز دیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحبؒ لکھنوی	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
امداد المفتیین	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	کتبخانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعة	علامہ عبد الرحیم الجزریؒ	اوقاف پنجاب، پاکستان
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	عارف کمپنی دیوبند
دُرِّ مختار	علامہ ابن عابدینؒ	پاکستانی
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
امداد الاحکام		پاکستانی
الترغیب والترہیب	مولانا ذکی الدین عبد العظیم المنذری	ندوۃ المصنفین دہلی
براہین قاطعہ	مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	دار الکتاب دیوبند

المہند علی المفند یعنی عقائد علماء دیوبند	مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
الشہاب الثاقب	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	کتبخانہ رحیمیہ دیوبند
سبیل السداد فی مسئلۃ الامداد	مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
السحاب المدرار	مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
توضیح البیان فی حفظ الایمان	مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
طریقۂ مولود شریف	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
حفظ البیان	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
المبتدعین		مکتبہ دینیہ دیوبند
آنکھوں کی ٹھنڈک (مسئلۂ حاضر و ناظر)	مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر	دارالاشاعت دیوبند
ازالۃ الریب عن عقیدۃ الغیب	مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر	مکتبہ مدنیہ دیوبند
راہِ سنت	مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر	
نور و بشر	مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر	مکتبہ عکاظ دیوبند
دل کا سرور	مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر	مکتبہ عکاظ دیوبند
حق پر کون ہے؟	مولانا امام علی دانش	عظیم بک ڈپو دیوبند
زلزلہ در زلزلہ	مولانا امام علی دانش	عظیم بک ڈپو دیوبند
کلمۃ الایمان اور سنت و بدعت	مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
بریلوی فتنے کا نیا روپ	مولانا محمد عارف سنبھلی	دارالکتاب دیوبند
علم غیب	قاری محمد طیب صاحب قاسمی	دارالکتاب دیوبند

بریلوی قرآن پاک کا علمی تجزیہ	مولانا اخلاق حسین قاسمی	
اشرف الجواب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
بوارق الغیب	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
فتح بریلی کا دل کش نظارہ	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
صاعقۂ آسمانی بر فرقۂ رضا خانی	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	
امعان النظر فی اذان القبر	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	
بریلویت کا شیش محل	مولانا محمد طاہر حسن گیاوی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
رضا خانیت کے علامتی مسائل	مولانا محمد طاہر حسن گیاوی	کتب خانہ نعیمیہ
انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک	مولانا محمد طاہر حسن گیاوی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
شمع توحید	مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
الجنة لاهل السنة	مولانا عبد الغنی پٹیالویؒ	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
بریلی مذہب پر ایک نظر	مولانا عبد اللہ قاسمی غازی پوری	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
مختار کل	مولانا سرفراز خاں صفدر	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند
سماع موتی	مولانا سرفراز خاں صفدر	
چراغ کی روشنی	مولانا سرفراز خاں صفدر	
گلدستۂ توحید	مولانا سرفراز خاں صفدر	مکتبہ مدنیہ دیوبند
تاریخ میلاد	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
سنت نبویؐ اور جدید سائنس	حکیم محمد طارق محمود چغتائی	مکتبہ امدادیہ سہارنپور

ارشادِ باری تعالیٰ

وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے۔ (نمل)

اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور رحم کرنے والا ہے، اس نے اپنے بندہ سے فرمایا ہے کہ رحمتوں سے ناامید ہونا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کا اظہار ہی اس کی صفات اور رحمتوں کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر ہم اس کی رحمتوں کا شکر نہیں بجالاتے تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ حقیقتاً ہم اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ اگرچہ لوگ زبان سے توحید کا اقرار کرتے ہیں؛ مگر عمل سے اس اقرار کا اظہار نہیں ہوتا تو دراصل یہ بھی انکار کا ہی ایک پہلو ہے، ہمیں چاہئے کہ اگر ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو زبان اور دل سے اقرار کریں اور اپنے عمل سے اس اقرار کا اظہار کریں، اگر ہم اسے مہربان تسلیم کرتے ہیں تو اس امر پہ یقین کرنا ہوگا کہ سچے دل سے کی ہوئی توبہ اور بے قراری سے مانگی ہوئی دعاء وہ ہر صورت میں قبول فرماتا ہے؛ البتہ یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہئے کہ قبول کی ہوئی دعاء پر عمل درآمد اللہ تعالیٰ بندہ کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض اوقات فوری کرتا ہے، بعض اوقات کچھ عرصہ بعد کرتا ہے اور بعض اوقات اس دعاء کا صلہ آخرت کے لیے محفوظ کر لیتا ہے، اگر ہمارے مسائل حل نہیں ہو پاتے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہماری دعاء قبول نہیں ہوئی؛ بلکہ بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو آزماتا ہے کہ اس کا بندہ کتنا صابر اور شاکر ہے، نیز اس کا ایمان تقویٰ کتنا پختہ ہے۔ (شوریٰ)

جب ہم بیمار پڑتے ہیں یا کسی پریشانی ونقصان سے دوچار ہوتے ہیں، اس کی وجہ کسی طبعی، اخلاقی یا روحانی قانون واصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے ''نافرمانوں پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت ہمیشہ ٹوٹتی رہتی ہے'' مگر اپنے نیک بندوں کے متعلق قرآن مجید میں فرماتا ہے ''ہم نے انسان کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو اسے ہمارا اِشارہ پا کر ہر مصیبت سے بچاتے ہیں (رعد:۱۱)۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے ''طلوعِ آفتاب سے پہلے، غروب کے بعد، دورانِ شب اور دن کے